# حکومتِ یزید پلید

## مصنفہ

علامہ مولانا مفتی شریف الحق امجدی دامت برکاتہم العالیہ

..................................

# خلافت معاویہ ویزید پر ایک تحقیقی نظر

۱- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حضرت علی کی خلافت صحیح ہے یا نہیں؟ انہوں نے حضرت عثمان کا قصاص کیوں نہیں لیا؟

۲- یزید فاسق وفاجر تھا یا زاہد ومتدین؟ اس کی خلافت درست تھی یا نہیں؟

۳- حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ حق پر تھے یا خطا پر؟ وہ شہید فی سبیل اللہ ہیں یا نہیں؟

بینوا توجروا.

## الجواب بعون الملك الوهاب

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حذیفہ الیمان رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ ''فتنوں کے متعلق کچھ بتاؤ'' انہوں نے معمولی قسم کے چند فتنوں کا ذکر فرمایا۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دوبارہ پوچھا: ''یہ نہیں ان فتنوں کو بتاؤ جو سمندر کی موجوں کی طرح امنڈیں گے۔''

حضرت سیدنا حذیفہ الیمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

دونك باب مغلق.

ترجمہ: آپ میں اوران میں دروازہ بند ہے۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔

یفتح ام یکسر.

ترجمہ: دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟

حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''توڑا جائے گا''

اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اذا لا یغلق الٰی یوم القیامۃ.

ترجمہ: اب قیامت تک فتنوں کا سد باب نہ ہوگا۔

چنانچہ تاریخ اسلام اٹھا کر دیکھو۔ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم کی شہادت کے بعد ابن سبا کی سازشوں سے جب فتنے اٹھنے شروع ہوئے تو تقریباً چودہ صدیاں گزرنے پر آئیں مگر فتنے بند نہ ہوسکے۔ وہ ابن سبا ہی کی ذریت تھی جنہوں نے حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ حضرت علی، حضرت طلحہ وزبیر اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کو آپس میں لڑا دیا۔ وہ بھی ابن سبا ہی کی ذریت تھی جو نہروان میں حضرت علی سے خروج کر کے شیر خدا کی ذوالفقار کی شکار ہوئی۔ وہ بھی ابن سبا ہی کی ذریت تھی جنہوں نے ریحانہ رسول خانوادۂ بتول کو کربلا کے میدان میں تہ تیغ کیا اور یہ بھی ابن سبا ہی کی کرشمہ سازیوں کا اثر ہے کہ آج بھی سیدنا علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ اور ان کے نور دیدہ، لختِ جگر فاطمہ ریحانہ رسول سید الشہداء شہید کربلا کے خلاف اپنا زورِ قلم دکھانے کی جرأت کی جارہی ہے۔

''خلافت معاویہ ویزید'' کوئی نئی بات نہیں۔ اسی نہروانی خارجیت کے مہلک جراثیم سے پھر دنیائے اسلام کے امن وامان کو برباد کرنے کی ایک شرمناک جدوجہد ہے۔ امروہوی صاحب نے اس کتاب میں حضرت سیدنا علی اور حضرت سیدنا حسین شہید کربلا پر نکتہ چینیاں کی ہیں اس کے جواب میں رافضی کو جرأت ہوگی۔ وہ دیگر صحابۂ کرام خصوصاً

حضرت امیر معاویہ، عمرو بن عاص اور حضرات شیخین پر تبرا کرے گا۔

انی عذت بربی و ربکم ان ترجمون.

امروہوی صاحب نے پہلے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت مکمل نہیں، اس کی دلیل میں تین چیزیں پیش کی ہیں۔

''ایک یہ کہ یہ خلافت ابن سبائیوں کی تائید و اصرار اور ان کے اثر سے قائم کی گئی تھی اس خلافت نے باوجود قدرت کے حضرت عثمان کا قصاص نہیں لیا۔ اکابر صحابہ نے بیعت کرنے سے گریز کیا۔''

صفحہ نمبر ۲ پر لکھتے ہیں:

''یہ بیعت چونکہ باغیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے قائم ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمان ذوالنورین جیسے محبوب اور خلیفہ راشد کو ظلما اور ناحق قتل کر کے سبائی گروہ کے اثر سے قائم کی گئی تھی۔ نیز قاتلین سے قصاص جو شرعاً واجب تھا نہیں لیا گیا اور نہ قصاص لیے جانے کا کوئی امکان باقی تھا۔ اکابر صحابہ نے بیعت کرنے سے انکار کیا اس لیے بیعت خلافت مکمل نہ ہو سکی۔'' ملخصاً

## پہلی بات

آپ کا یہ کہنا اگر بجا ہے کہ یہ خلافت سبائیوں کے اثر سے قائم کی گئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت میں ان تمام لوگوں کا ہاتھ تھا جو حضرت علی کی خلافت قائم کرنے والے ہیں اور ایک پہلو یہ بھی نکل سکتا ہے کہ اپنی خلافت خود حضرت علی نے قائم کی لہٰذا وہ بھی اس خون ناحق میں شریک ہیں۔ اب آیئے میں آپ کو بتاؤں کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کس نے قائم کی اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ اکابر صحابہ نے حضرت امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی یا نہیں۔

علامہ ابن حجر مکی ''صواعق محرقہ'' میں فرماتے ہیں:

علم مما مران الحقیق بالخلافة بعد الائمة الثلٰثة هو الامام المرتضٰی والولی المجتبٰی علی ابن ابی طالب باتفاق اهل الحل والعقد علیه کطلحة والزبیر و ابی موسٰی و ابن عباس و خزیمة بن ثابت و ابی الهیثمة بن التهان و محمد بن سلمة و عمار بن یاسر و فی شرح المقاصد عن بعض المتکلمین ان الاجماع العقد علی ذالك و وجه انعقاده فی زمن الشوریٰ علی انها له و لعثمٰن و هذا اجماع علی انه لو لا عثمان لکانت لعلی فحین خرج عثمان بقتله من البین بقیت لعلی اجماعًا۔

(صفحہ۱۷)

ترجمہ: گزشتہ باتوں سے معلوم ہوا کہ اہلِ حل وعقد کے اجماع سے خلفاء ثلاثہ کے بعد خلافت کے مستحق امام مرتضٰی ولی مجتبٰی حضرت علی ابن ابی طالب تھے۔ یہ اہلِ حل وعقد حضرات طلحہ وزبیر وابوموسٰی وابن عباس و خزیمہ بن ثابت وابوالہیثمہ بن تیہان ومحمد بن سلمہ وعمار بن یاسر ہیں۔ شرح مقاصد میں بعض متکلمین سے ہے کہ خلافت مرتضوی پر اجماع ہے اس طرح کہ حضرت عمر کی مشاورتی کمیٹی میں باتفاق طے ہوا تھا کہ خلافت حضرت علی یا حضرت عثمان کے لیے ہے اس سے ثابت کہ جب حضرت عثمان نہ ہوں تو خلافت حضرت علی کا حق ہے جبکہ عثمان نہ رہے تو حضرت علی اس کے مستحق اجماعاً ہے۔

امام جلیل اجل خاتم الحفاظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفاء میں ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ سے ناقل ہیں:

بویع علي بالخلافة بعد الغد من قتل عثمان بالمدینه فبایعه جمیع من کان بها من الصحابة.

ترجمہ: حضرت عثمان کی شہادت کے دوسرے دن مدینہ طیبہ میں حضرت علی کی خلافت پر بیعت ہوئی۔ مدینہ میں جتنے بھی صحابہ تھے سب نے بیعت کی۔

لیکن امروہوی صاحب کہہ دیں گے کہ تاریخ الخلفاء کا کیا اعتبار یہ تو تاریخ کی ادنیٰ کتاب ہے شاید ان کے نزدیک کتاب کی عظمت کا دارومدار کتاب کے حجم پر ہے لیکن یہ منطق انہیں کو مبارک ہو کتاب کا ادنیٰ ہونا اعلیٰ ہونا حجم پر نہیں بلکہ مصنف کی جلالت علمی پر ہے۔ امام اجل جلیل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا علماء میں جو مرتبہ ہے وہ اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں ان کی کتاب تاریخ الخلفاء اگر چہ بہت مختصر ہے مگر نہایت ہی مستند ہے۔ اگر کتاب کی حیثیت کا دارومدار حجم پر ہو تو وہ دن دور نہیں کہ آپ کہیں کہ قرآن کریم کا حجم بہت چھوٹا ہے لہٰذا یہ ادنیٰ ہے اور ہماری مبسوط کتاب کا حجم بہت بڑا ہے لہٰذا یہ بہت اعلیٰ ہے۔ پھر کوئی آریہ آپ سے سیکھ کر یہ کہہ دے کہ چونکہ ویدوں کا حجم قرآن سے بڑھا ہوا ہے لہٰذا وہ قرآن سے اعلیٰ ہے۔ **نعوذ باللہ من شرور انفسنا**۔ آیئے دیکھئے یہ امام ابوجعفر طبری اپنی کتاب الریاض النضرۃ میں کیا فرماتے ہیں:

**و خرج علی فانی منزله و جاء الناس کلهم الی علی لیبایعوه فقال لهم لیس هٰذا الیکم انما هو الی اهل بدر فمن رضی به اهل بدر فهو الخلیفة فلن یبقی احد من اهل بدر الاقال ما نری احق له منك فلما رایٰ علیٰ ذلك جاء المسجد فصعد المنبر و کان اول من صعد الیه و بایعه طلحة والزبیر و سعد و اصحاب محمد ﷺ. (۱۲۶/۲)**

ترجمہ: حضرت علی وہاں سے اپنے گھر آئے سب لوگ حضرت علی کے پاس آئے کہ ان سے بیعت لے لیں حضرت علی نے فرمایا: یہ تمہارا حق نہیں اہلِ بدر جسے پسند کریں وہ خلیفہ ہے پھر تمام اہلِ بدر نے کہا کہ

(اے علی) آپ سے زیادہ خلافت کا حق دار کوئی نہیں۔ اب حضرت علی مسجد میں آئے منبر پر چڑھے سب سے پہلے حضرت طلحہ، زبیر، سعد اور دیگر صحابہ نے بیعت کی۔ (صفحہ ۱۲۶ جلد ۲)

ان تمام جلیل القدر محدثین و علماء راسخین کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حضرت علی کو مسند خلافت پر بٹھانے والے اصحاب بدر و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن سے حضرت طلحہ اور زبیر بھی شامل ہیں اس کے برخلاف امروہوی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ خلافت سبائیوں قاتلانِ عثمان کے اثر سے قائم ہوئی۔ یہ تو کہنا خلاف تہذیب ہوگا کہ امروہوی صاحب نے غلط لکھا لہٰذا مہذب رہنے کے لیے یہ ماننا ہی پڑے گا کہ امروہوی صاحب کے نزدیک اہلِ بدر اور وہ اصحاب رسول اللہ جنہوں نے حضرت علی کو خلیفہ بنایا سبائی، باغی اور قاتلِ حسین ہیں۔ امروہوی صاحب کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات بھی نہیں ہوگی۔ بنی امیہ کی محبت میں سب کچھ گوارا ہے۔

ہر ستم ہر جفا گوارا ہے
صرف کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

حضرت عثمان کے قصاص کے معاملہ میں بات بالکل صاف ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس معاملہ میں کبھی انکار نہ کیا اور نہ پہلوتہی کی قانون اسلام کے مطابق قصاص اس وقت لیا جاتا جبکہ حضرت عثمان کے وارثین بارگاہِ خلافت میں قاتلوں کو متعین کر کے ان پر دعویٰ کرتے کہ فلاں فلاں نے حضرت خلیفہ مظلوم کو شہید کیا ہے اور اس پر شرعی گواہ لاتے جب عینی گواہوں کے بیان یا قاتلین کے اقرار سے ثابت ہو جاتا کہ یہ لوگ قاتل ہیں تب کہیں جا کر جرم ثابت ہوتا اور قصاص لینا فرض ہوتا ایسا کبھی نہیں ہوا۔ حضرت عثمان کے کسی ولی نے کبھی بھی اس قسم کا نہ دعویٰ دائر کیا اور نہ کوئی ثبوت پیش کیا۔ حضرت علی قصاص لیتے تو کس سے لیتے حضرت طلحہ و حضرت زبیر حتیٰ کہ خود حضرت امیر معاویہ نے لشکر کشی تو کی مگر اس قسم کا کوئی دعویٰ بارگاہِ خلافت میں دائر نہیں کیا اگر دائر کیا تو امروہوی صاحب یا ان کے حواریین ثبوت لائیں۔ امروہوی صاحب کے سامنے انگریزی قانون ہے جس کے

ماتحت کسی کے قتل کے بعد پولیس فرضی لوگوں کو پکڑتی ہے، شبہہ میں گرفتار کرتی ہے۔ مارتی پیٹتی ہے، پھر کسی پر مقدمہ چلاتی ہے، تیر تکہ پر بیٹھ گیا اور فرضی گواہ جج کی نظر میں جرح و قدح میں سالم رہ گئے تو قاتل کو پھانسی ہوگئی ورنہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قاتل گل چھرے اڑاتا ہے اور بے گناہ تختہ دار پر ہوتا ہے۔

امروہوی صاحب چاہتے ہیں کہ حضرت علی بھی ایسا ہی کرتے۔ حضرت علی نے ایسا نہیں کیا۔ لہٰذا وہ امروہوی صاحب کی نظر میں مجرم ہوئے۔ وہ خلافت کے اہل نہیں رہے۔

لیکن امروہوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کا قانون ایسا ظالمانہ نہیں اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے خلیفۂ راشد سے اس کی امید ہوسکتی ہے کہ وہ اسلامی قانون کے برخلاف کسی دوسرے قانون پر عمل کرتے۔ قصاص حد ہے ثبوت کے بعد حد جاری نہ کرنا۔ شدید ترین ظلم اور بہت بڑا فسق ہے۔ حدود الٰہی کے ترک کی نسبت مولائے مومنین مہر سید المرسلین کی طرف کرنا ابن تیمیہ جیسے مشہور اور اس کے اندھے مقلدین کا کام ہوسکتا ہے۔ کسی سنی صحیح العقیدہ کا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت حق تھی۔ آپ حضرت طلحہ، زبیر اور امیر معاویہ کے مقابلہ میں مصیب تھے اس کی تصریحات احادیثِ کریمہ میں بکثرت موجود ہیں۔

## حدیث اول

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا:

**تقتلك الفئة الباغية.**

ترجمہ: تجھے خلیفہ برحق پر خروج کرنے والی باغی جماعت قتل کرے گی۔

حضرت عمار جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ یہ حضرت علی کے ساتھ تھے معلوم ہوا کہ حضرت علی کی خلافت حق تھی۔ حضرت امام نووی فرماتے ہیں:

**قال العلماء هذا الحديث حجة ظاهرة في ان عليا كان محقا مصيبا والطائفة الاخرى بغاة لكنهم مجتهدون فلا**

اثم علیهم. (جلد۲صفحہ۲۹۶)

ترجمہ: علماء نے فرمایا: یہ حدیث کھلی ہوئی اس بات کی دلیل ہے کہ علی حق و صواب پر تھے اور دوسرے گروہ سے خطاء اجتہادی ہوئی۔ اس لیے ان پر کوئی گناہ نہیں۔

## حدیث دوم

امام بخاری نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں:

**و فیکم الذی اجاره الله من الشیطان علی لسان نبیه یعنی عمارا.**

ترجمہ: اور تم میں وہ ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے شیطان سے محفوظ رکھا اپنے نبی کے فرمان سے یعنی عمار۔

اس کو تھوڑے تغیر کے ساتھ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت فرمایا۔

جب حسبِ فرمان حدیث حضرت عمار شیطان سے محفوظ ہیں تو ان سے خطاء سرزد نہیں ہو سکتی۔ یہ تمام معرکوں میں حضرت علی کے ساتھ رہے لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت علی حق پر تھے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی حق و باطل کا وہ معیار تھی جس کی وجہ سے بہت سے وہ صحابہ کرام جو اس نزاع میں متردد تھے حضرت علی کی حقانیت کے قائل ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

**ما اساء علی شئ الا انی لم اقاتل مع علی الفئة الباغية.**

(الریاض النضرۃ جلد۲، صفحہ۱۳۲)

ترجمہ: اس سے زیادہ مجھے کوئی بات بری نہیں معلوم ہوئی کہ میں نے حضرت علی کے ساتھ ان کے مخالف سے جنگ نہیں کی۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار کی شہادت سے پہلے پہلے معرکہ کارزار میں ہوتے ہوئے بھی تلوار بے نیام نہیں کی تھی۔ مگر حضرت عمار کی شہادت کے بعد

حضرت علی کی حمایت میں انتہائی جوش کے ساتھ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حضرت عمار کی شہادت کے بعد خود حضرت عمرو بن عاص، حضرت معاویہ کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تطہیر الجنان واللسان میں فرماتے ہیں:

بعض معتزلی علی ظهر لهم من الاحادیث انه الامام الحق فندموا علی التخلف منه کما مرّ و منهم سعد بن ابی وقاص. (صفحہ ۱۵۹)

ترجمہ: حضرت علی سے الگ رہنے والے صحابہ کرام سے بعضوں پر حدیثیں ظاہر ہوئیں تو وہ اس علیحدگی پر نادم رہے۔ جیسا کہ گزر گیا۔ انہیں میں سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

## حدیث سوم

جنگ جمل میں جب دونوں فریق صف آرا ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انہیں یاد دلایا۔ ایک بار عہدِ رسالت میں ہم دونوں فلاں جگہ ساتھ ساتھ تھے۔ آنحضور نے ہمیں دیکھ کر فرمایا۔ اے زبیر علی سے محبت کرتے ہو۔ عرض کیا: کیوں نہیں۔ یہ میرے ماموں زاد بھائی و اسلامی برادر ہیں۔ پھر مجھ سے دریافت فرمایا: اے علی! بولو کیا تم بھی انہیں محبوب رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ اپنے پھوپھی زاد اور دینی بھائی کو کیوں نہ محبوب رکھوں گا۔ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا۔ اے زبیر! ایک دن تم ان کے مدمقابل ہو گے اور تم خطاء پر ہو گے۔ حضرت زبیر نے اس کی تصدیق کی۔ فرمایا: میں بھول گیا تھا اور صفیں پھاڑ کر میدان کارزار سے نکل گئے۔

(الریاض النضرۃ جلد ۲ صفحہ ۲۷۳، وصواعق محرقہ صفحہ ۷۱ از حاکم و بیہقی)

## حدیث چہارم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات سے فرمایا:

ایتکن صاحب الجمل الاحمر یخرج حتی تنجها کلاب

الحواب فیقتل حولها قتلی کثیرة.

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۷، از بزار وابونعیم)

ترجمہ: تم میں کون سُرخ اونٹ والی ہے جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے اس کے بعد اس کے گرداگرد لاشوں کے ڈھیر ہوں گے۔

چنانچہ حضرت ام المومنین مکہ سے چلیں جب حواب پہنچیں تو کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔ حدیث یاد آئی۔ دریافت کیا کون سی جگہ ہے۔ لوگوں نے بتایا حواب ہے۔ یہ سن کر اپنا ارادہ فسخ فرمادیا لیکن فتنہ پردازوں نے جب دیکھا کہ سارا معاملہ بگڑ رہا ہے تو فوراً بولے کہ یہ حواب نہیں کسی نے آپ کو غلط بتادیا ہے۔

## حدیث پنجم

حضور نے ارشاد فرمایا ہے:

اللهم ادر الحق معه حیث دار. (مشکوٰة)

ترجمہ: اے اللہ! حق علی کے ساتھ رکھ جہاں بھی جائیں۔

حضور کی یہ دعا یقیناً مستجاب ہوئی اور ہر میدان میں حق حضرت علی کے ساتھ رہا۔ ان احادیث سے خوب واضح ہو گیا کہ حضرت مولائے مومنین صہر خاتم النبیین علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کی خلافت حق تھی اور ان پر قصداً قصاص نہ لینے کا یا قتلِ عثمان میں کسی طرح شریک ہونے کا الزام غلط ہے۔ اس معاملہ میں بھی وہ حق پر تھے۔ ان کے محاربین سے خطاء اجتہادی واقع ہوئی۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا۔ خلفاء کون ہیں؟ ارشاد فرمایا:

ابوبکر و عمر و عثمان و علی قلت فمعاویة قال لم یکن احد احق بالخلافة فی زمان علی من علی.

ترجمہ: خلفاء ابوبکر و عمر و عثمان و علی ہیں۔ سائل نے امیر معاویہ کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا: حضرت علی کے زمانہ میں حضرت علی سے

زائد کوئی دوسرا خلافت کا حق دار نہیں تھا۔

اب آیئے اس بحث کو حضرت امام نووی محرر مذہب شافعی شارح مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ کے بیان پر ختم کر دوں۔ شرح صحیح مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۲۷۲ پر فرماتے ہیں:

اما عثمان رضی اللہ عنہ فخلافتہ صحیحۃ بالاجماع و قتل مظلوماً و قتلتہ فسقۃ ولم یشارک فی قتلہ احد من الصحابۃ و انما قتلہ ھمح و رعاء من غوغاء القبائل و سفلۃ الاطراف والارذال و اما علی رضی اللہ عنہ فخلافتہ صحیحۃ بالاجماع و کان ھو الخلیفۃ فی وقتہ لا خلافۃ لغیرہ.

ترجمہ: حضرت عثمان کی خلافت اجماعاً صحیح ہے وہ ظلماً شہید کیے گئے ان کے قاتل فاسق ہیں۔ ان کے قتل میں کوئی صحابی شریک نہیں ہوئے انہیں کمینے چرواہوں، ادھر ادھر کے رزیل اور نیچے درجے کے لوگوں نے شہید کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی بالاجماع صحیح ہے اپنے عہد میں وہی خلیفہ تھے کسی دوسرے کی خلافت نہیں تھی۔

امروہوی صاحب نے اپنی کتاب میں اس پر بہت زور باندھا ہے کہ یزید، متبع سنت، متدین، زاہد، عابد و کبار تابعین میں تھا۔ بڑا مدبر، بیدار مغز اور مجاہد فی سبیل اللہ تھا۔ اس کی طرف فسق و فجور، کفر و الحاد کے بارے میں جتنی روایتیں ہیں سب وضعی ہیں۔ امروہوی صاحب یزید کی محبت میں اس درجہ خود رفتہ ہیں کہ انہیں احادیث صحیحہ اور کبار صحابہ اور تابعین کے ارشادات تک نظر نہیں آتے۔ آپ نے تحریر کیا ہے کہ ''یزید کے معاصرین میں صرف عبداللہ بن زبیر اسے برا بھلا کہتے تھے مگر چونکہ وہ خود آنکھ سے دیکھتے نہیں تھے لہٰذا ان کی بات لائق اعتبار نہیں۔'' لیکن اس کے برخلاف امروہوی صاحب تیرہ سو برس کے بعد یزید کے فضل و کمال کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا آپ یزید کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے آپ نے اپنی ساری تحقیقات کی بنیاد اس پر قائم کی ہے کہ سوائے ابن تیمیہ اور ابن

خلدون کے سارے مورخین روایت پرست تھے۔ تحقیق و جستجو سے انہیں کوئی غرض نہیں تھی۔ اندھادھند جو کچھ سنا نقل کر دیا۔ سب سے پہلا محقق ابن خلدون ہے اور دوسرے آپ جیسے فنکار، اسی بنا پر آپ نے جگہ جگہ ابن خلدون کو سراہا ہے اور امام ابن جریر طبری جیسے جلیل القدر مسلم الثبوت امام کو شیعہ کہہ کر نا قابلِ اعتبار کر دیا ہے۔ طبری اتنے پایہ کے امام ہیں کہ ابن خزیمہ محدث کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔ ان پر بعضوں نے یہ الزام رکھا ہے کہ یہ شیعوں کے لیے حدیثیں وضع کرتے تھے۔ اس کا جواب علامہ ذہبی جیسے فن رجال کے امام نے ان زوردار الفاظ میں دیا ہے:

هذا رجم بالظن الكاذب بل ابن جرير من كبار ائمة الاسلام المعتمدين.

ترجمہ: یہ جھوٹی بدگمانی ہے ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں سے ایک امام کبیر ہیں۔

انتہا یہ ہے کہ موجودہ صدی کے مشہور مورخ جناب شبلی اعظم گڑھی کو سیرت النبی کے مقدمہ میں طبری کے بارے میں لکھنا پڑا۔ تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال وثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ لیکن برا ہو جوش تعصب کا کہ جملہ آئمہ محدثین کی معتمد علیہ ذات کے بارے میں امروہوی صاحب کی رائے یہ ہے کہ وہ بالکل ہی غیر معتبر اور نا قابلِ قبول ہیں۔ یقیناً امام طبری کا یہ کارنامہ کہ انہوں نے امروہوی صاحب کے لائق امیر کے کرتوتوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ یزیدیوں کے نزدیک جرم نابخشیدہ ہے، رہ گیا ابن خلدون تو چونکہ ان کے یہاں نیچریانہ اسباب پرستی پر بہت زور ہے لہٰذا اس زمانہ کے روحانیت سے محروم تاریخ داں اسے بہت اچھالتے ہیں۔ مگر حقیقت کیا ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ وہ خود خارجیوں کا بھائی معتزلی تھا۔ چنانچہ مولوی عبدالحی لکھنوی اپنے فتاویٰ جلد اول صفحہ ۲۷ میں لکھتے ہیں:

"علامہ عبدالرحمٰن حضرمی معتزلی معروف بہ ابن خلدون۔"

سبحان اللہ! کیا خوب تحقیق ہے کہ ابن جریر طبری جیسے امام زماں کی باتیں محض اس بنا پر مردود کہ وہ یزید کے ہم عصر نہیں تھے۔ شیعہ تھے مگر ان کے صدیوں بعد کے ایک معتزلی کی بات شیر مادر

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ امروہوی صاحب نے جس کے بیان کو اپنی افتادِ طبع کے مطابق پایا اسے محقق، مدقق اور صحیح العقیدہ مانا اور جس کی بات اپنے رجحان طبع کے خلاف پائی اسے بدمذہب اور سطحی نظر والا کہہ دیا یہی وہ تحقیق ہے۔ یہی وہ ریسرچ ہے جسکا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ یزید کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں پہلے انہیں سنیں، پھر اس کے کرتوت دیکھیں پھر امت کا فیصلہ۔

## حدیث اول

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

**هلكة امتي على ايدي غلمة من قريش فقال مروان لعنة الله عليهم غلمة فقال ابوهريرة لو شئت ان اقول بني فلان بني فلان لفعلت فكنت اخرج مع جدي الى بني مروان حين ملكوا بالشام فاذا راهم غلمانا احداثا قال لنا عسى هولاء ان يكونو منهم قلنا انت أعلم.**

ترجمہ: میری امت کی ہلاکت قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔ مروان نے کہا کہ "ان پر خدا کی لعنت ہو بہت برے لونڈے ہیں" ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم چاہو کہ میں بتا دوں کہ وہ بنی فلاں بنی فلاں ہیں تو میں بتا سکتا ہوں۔ عمرو بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ میں شام اپنے دادا کے ساتھ جاتا تھا جب انہوں نے نوخیز چھوکرے دیکھے تو کہا: یہ انہیں میں ہوں گے ہم نے عرض کیا: آپ خوب جانتے ہیں۔

امروہوی صاحب کان کھول کر سنیں یہ ابومخنف کی روایت نہیں حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب کا نام لے کر بتا سکتا ہوں اور انہوں نے اشاروں سے بتا بھی دیا کہ وہ کون ہیں۔ حدیث چہارم دیکھیں۔

آپ کے حضرت مروان بن حکم کو عمرو بن یحیٰی جیسے جلیل القدر محدث تابعی فرماتے ہیں کہ مروان انہیں ملعونین میں ہے اور آپ کے ممدوحین بنی امیہ کو اس حدیث کا مصداق ٹھہراتے ہیں۔ بنی مروان نے امت میں جتنی تباہی مچائی ہے۔ وہ سب تقلید ہے آپ کے لائق امیر یزید کی اس لیے یہ کبھی ممکن نہیں کہ اس حدیث کے مصداق یہ ظالمین تو ہوں اور ان کا پیش رو نہ ہو۔ اگر میرا یہ قیاس آپ کو نہ بھاتا ہو تو آیئے شارحین کے ارشادات جلیلہ سنئے:

علامہ کرمانی فرماتے ہیں:

قوله احداثا ای شبانا و اولهم يزيد عليه ما يستحق و كان غالبا ينزع الشيوخ من امارة البلدان الكبار و يواليها الاصاغر من اقاربه. (حاشیہ بخاری صفحہ ۱۰۴۶)

ترجمہ: احداث نوخیز ہوں گے ان کا پہلا یزید علیہ ما یستحق ہے اور یہ عموماً سن رسیدہ بزرگوں کو بڑے بڑے شہروں کی امارت سے اتارتا تھا۔ اپنے کم عمر رشتہ داروں کو والی بناتا تھا۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

قوله على يدى غلمة اى على ايدى شبان الذين ما وصلوا الى مرتبة كمال العقل و احداث السن الذين لا مبالاة لهم باصحاب الوقار والظاهران المراد ما وقع بين عثمان و قتلته و بين على والحسين و من قاتلهم قال المظهر لعله اريد بهم الذين كانوا بعد الخلفاء الراشدين مثل يزيد و عبدالملك بن مروان وغيرهما.

ترجمہ: غلمہ سے مراد وہ نوجوان ہیں جو کمال عقل کے مرتبہ تک نہیں پہنچے ہیں

اور وہ نوعمر جو وقار والوں کی پرواہ نہیں کرتے ظاہر ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا اور حضرت علی و حضرت امام حسین سے لڑے۔ مظہر نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو خلفاء راشدین کے بعد تھے جیسے یزید اور عبدالملک بن مروان وغیرہ۔ دیکھئے سارے شارحین اس پر متفق ہیں کہ غلمۃ قریش میں یزید ضرور داخل ہے۔

## دوم وسوم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**تعوذوا باللّٰہ من راس السبعین و امارۃ الصبیان.**

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۳ جلد ۲)

ترجمہ: لوگو سترھویں دہائی کی ابتداء اور چھوکروں کے امیر ہونے سے خدا کی پناہ مانگو۔

امارۃ الصبیان کی شرح میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:

**ای من حکومۃ الصغار الجھال کیزید بن معاویۃ و اولاد حکم بن مروان و امثالھم قیل راھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی منامہ یلعبون علی منبرہ علیہ الصلٰوۃ والسلام.**

ترجمہ: امارۃ الصبیاں سے جاہل چھوکروں کی حکومت مراد ہے جیسے یزید بن معاویہ اور حکم بن مروان کی اولاد اور ان کے مثل ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں انہیں اپنے منبر پر کھیل کود کرتے ملاحظہ فرمایا ہے۔

منبر پر کھیلنے والی حدیث کو خاتم الحفاظ علامہ اجل سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں بھی روایت فرمایا ہے۔

## حدیث چہارم

صواعق محرقہ میں علامہ ابن حجر مکی ناقل ہیں:

**و كان مع ابی هريرة رضی الله عنه علم من النبی ﷺ بما مر عنه ﷺ فی يزيد فانه كان يدعو اللهم انی اعوذ بك من راس الستين و امارة الصبيان فاستجاب الله له فتوفاه سنة تسع و اربعين و كانت وفاة معاوية و ولاية ابنه سنة ستين.**

ترجمہ: یزید کے بارے میں مذکورہ بالا باتیں جو حضور اقدس ﷺ نے بتائی ہیں اس کا علم حضور کے بتانے سے حضرت ابو ہریرہ کو تھا وہ دعا فرمایا کرتے۔ اے اللہ! ۶۰ھ کی ابتدا اور چھوکروں کی بادشاہت سے تیری پناہ چاہتا ہوں اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ یہ ۴۹ھ میں فوت ہوگئے۔ امیر معاویہ کا انتقال اور یزید کی حکومت ۶۰ھ میں ہوئی۔

"**هلكة امتی علی يدی غلمة قريش**" کے ذیل میں گزرا کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا تھا کہ اگر کہو تو میں بنی فلاں بنی فلاں کا نام بتا سکتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ نے کھلے بند تو نام نہیں لیا مگر ۶۰ھ کی ابتداء اور چھوکروں کی امارت سے پناہ مانگ کر نہایت جلی غیر مبہم اشارہ فرما دیا کہ اس ۶۰ھ میں جو امارت قائم ہوگی اس سے پناہ مانگتا ہوں اور وہ یزید کی حکومت تھی۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ امت کو برباد کرنے والے چھوکروں کا سرگروہ یزید ہے۔ ان احادیث کو نقل فرما کر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اشارت بزمان یزید بے دولت کرد کہ ہم در سال ستین بر سریر شقاوت نشست واقعہ حرہ در زمان شقاوت نشان او وقوع یافت۔"

(جذب القلوب صفحہ ۳۲)

## حدیث پنجم

علامہ اجل سیوطی تاریخ الخلفاء میں اور امام ابن حجر صواعق محرقہ میں شیخ محمد صبغان اسعاف الراغبین میں مسند ابو یعلی سے راوی۔

**لا یزال امر امتی قائما بالقسط حتی یکون اول من یثلمه رجل من بنی امیة یقال له یزید.**

ترجمہ: میری امت کا معاملہ برابر درست رہے گا یہاں تک کہ پہلا جو شخص اس میں رخنہ اندازی کرے گا وہ بنی امیہ کا ایک فرد یزید ہوگا۔

علامہ ابن حجر تطہیر الجنان میں اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

**رجاله رجال الصحيح الا ان فيه انقطاعاً.**

ترجمہ: اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں صرف اس میں انقطاع ہے۔

## حدیث ششم

یہی حضرات اپنی اپنی انہیں کتابوں میں بحوالہ مسند رویانی حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے راوی۔ وہ فرماتے ہیں:

**سمعت رسول الله ﷺ يقول اول من يبدل سنتي رجل من بني امية يقال له يزيد.**

ترجمہ: میں نے حضور اقدس ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ پہلا شخص جو میری سنت بدلے گا بنی امیہ کا ایک شخص ہوگا جس کا نام یزید ہے۔

ان احادیث میں اگرچہ بعض ضعیف ہیں مگر اس کو دوسری روایات اور تلقی علماء سے تقویت ہے لہٰذا قابل حجت ہیں۔

امر وہوی صاحب کے لائق زاہد امیر کے بارے میں خود نبی کریم ﷺ کا فرمان اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی رائے سن چکے اب آیئے خود بنی امیہ ہی کے ایک فرد کی رائے سنیئے۔

صواعق محرقہ اور تاریخ الخلفاء میں نوفل بن فرات سے مروی ہے وہ کہتے ہیں:

كنت عند عمر بن عبدالعزيز فذكر رجل يزيد قال امير المومنين يزيد بن معاوية فقال تقول امير المومنين فامر به فضرب عشرين سوطًا.

ترجمہ: میں عمر بن عبدالعزیز کی بارگاہ میں تھا ایک شخص نے یزید کا ذکر کیا: اسے امیر المومنین کہہ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے ڈانٹا اور کہا: امیر المومنین کہتا ہے، حکم دیا اسے بیس کوڑے مارے گئے۔

یزید کے معاصرین میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

والله ما خرجنا على ما يزيد حتى خفنا ان نرمى بالحجارة من السماء انه رجل ينكح امهات الاولاد والبنات والاخوات و يشرب الخمر و يدع الصلوٰة.

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۳، تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۶)

ترجمہ: ہم نے یزید کی بیعت اس وقت تک نہیں توڑی جب تک ہمیں یہ خوف نہ ہوا کہ کہیں ہم پر آسمان سے پتھر نہ برسائے جائیں وہ ایک ایسا آدمی تھا جو ام ولد اور لڑکیوں اور بہنوں سے نکاح کرتا تھا وہ شراب پیتا تھا۔ نمازیں ترک کرتا تھا۔

شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ابن جوزی سے ناقل ہیں کہ

"۶۲ھ میں یزید نے عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ منورہ بھیجا کہ وہاں کے لوگوں سے بیعت لے۔ عثمان نے اہل مدینہ کی ایک جماعت کو یزید کے پاس بھیجا۔ یزید کے پاس سے جب یہ جماعت لوٹی تو یزید کی برائیاں کھلے بند کرنے لگی۔ اس کی بے دینی، شراب خوری، مناہی و ملاہی کا ارتکاب، کتے بازی اور دیگر برائیوں کو

واشگاف کرنے لگی۔ ان سے یہ حالات سن کر باقی اہلِ مدینہ یزید کی بیعت واطاعت سے بیزار ہو گئے۔ اس جماعت میں ابن منذر بھی تھے۔ وہ کہتے ہیں بخدا یزید مجھے ایک لاکھ درہم دیتا تھا لیکن میں نے سچائی کو چھوڑ کر اس کے سامنے سر نہ جھکایا، وہ شراب خوار اور تارک الصلوٰۃ ہے۔ نیز یہی شیخ ابن جوزی سے اور وہ ابوالحسن مذاہبی سے نقل فرماتے ہیں:

یزید کے فسق وفساد کے دلائل ظاہر ہونے کے بعد اہلِ مدینہ منبر پر آئے اور اس کی بیعت توڑ دی۔ عبداللہ بن عمرو بن حفص مخزومی نے اپنا عمامہ سر سے اتارا اور کہا۔ اگر چہ یزید مجھے انعام واکرام دیتا ہے مگر وہ دشمنِ خدا دائم السکر ہے۔ میں نے اس کی بیعت توڑ دی جیسے کہ اپنی دستار سر سے اتار لی۔ پھر دوسرے اٹھے اور انہوں ے اپنی جوتی پاؤں سے نکالی اور پھینک کر کہا میں نے اس طرح یزید کی بیعت توڑ دی، اتنے زور وشور کے ساتھ بیعت توڑنے کا مظاہرہ ہوا کہ مجلس دستاروں اور جوتوں سے بھر گئی۔''

امروہوی صاحب ابن منذر اور ان کے ہمراہی ابومخنف سے سن کے تو نہیں فرما رہے ہیں یہ تو یزید کے ہمعصر اور اس کے حالات کے چشم دید گواہ ہیں دیکھئے یہ آپ کے لائق زاہد امیر یزید کے بارے میں کیا بتا رہے ہیں یزید کے زہد وورع، علم وفضل کا خطبہ پڑھنے والے امروہوی صاحب یزید کے کارنامے سنیں۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

''حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سب سے شنیع اور قبیح جو واقعہ یزید بن معاویہ کے زمانے میں رونما ہوا واقعہ حرہ ہے اس کو حرہ واقم اور حرہ زہرہ بھی کہتے ہیں جس زمانہ میں کہ مدینہ طیبہ آبادی ورونق میں مرتبہ کمال تک پہنچا ہوا تھا۔ بقیہ صحابہ اور انصار و

مہاجرین وعلماء کبارتابعین سے مالا مال تھا۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو شامیوں کے لشکرعظیم کے ساتھ اہلِ مدینہ سے لڑنے کے لیے بھیجا۔ یزید نے حکم دیا کہ اگر وہ لوگ میری اطاعت کرلیں۔ فبہا ورنہ جنگ کروفتح کے بعد تین دن تک مدینہ تمہارے لیے مباح ہے۔ مسلم بن عقبہ آیا۔ مقام حرہ پر پڑاوٗ ڈالا۔ اہلِ مدینہ تاب مقابلہ نہ دیکھ کر خندق کھود کر محصور ہو گئے۔ (امروہوی صاحب کے صحابی مروان کی دسیسہ کاریوں کی بدولت) یزیدی مدینہ میں گھس آئے پہلے پہل حرم نبوی کے پناہ گزینوں نے بڑی شدومد کے ساتھ مدافعت کی، مگرتا بہ کے عبداللہ بن مطیع رئیس قریش مع اپنے سات فرزندوں کے شہید ہو گئے۔ آخر میں شامی درندے اس حرم پاک میں گھس پڑے۔ نہایت بے دردی کے ساتھ قتل عام کیا۔ ایک ہزار سات سومہاجرین وانصار صحابہ کرام اور کبار علمائے تابعین کوسات سوحفاظ کواور دو ہزار ان کے علاوہ عوام الناس کو ذبح کیا۔ نہ بوڑھے بچے نہ مرد نہ عورتیں۔ مال و متاع جو کچھ ملا سب لوٹا۔ ہزاروں دوشیزگانِ حرمِ مصطفیٰ کی عصمت دری کی۔ مسجد نبوی میں گھوڑے دوڑائے۔ روضۂ جنت میں گھوڑے باندھے۔ گھوڑوں کی لید و پیشاب سے اسے ناپاک کیا۔ تین دن تک کسی اہلِ مدینہ کی یہ جرأت نہ ہوسکی کہ مسجد نبوی میں جا کر نماز و اذان ادا کرے اور نہ ان یزیدی درندوں کو اس کی توفیق ہوسکی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک نوچ لی گئی۔ **تکاد السموات یتفطرن و تنشق الارض و تخر الجبال ھدًا۔** قریب ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑے۔ زمین پھٹ جائے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ جان اسی کی بچی جس نے ان الفاظ میں یزید کی بیعت کی:

ثم دعا الی بیعة یزید و انهم اعبد له فی طاعة اللّٰه و معصیته فاجابوه الا واحدا من قریش فقتله.

(تطہیر الجنان صفحہ ۱۳۴)

ترجمہ: مدینہ تین دن لوٹنے کے بعد یزید کی اس بیعت کی دعوت دی کہ یہ لوگ یزید کے غلام ہیں اللہ عزوجل کی طاعت و معصیت میں ان درندوں کے ظلم وستم سے مرعوب ہوکر سب نے یہ بیعت کرلی۔ایک قریشی صاحب نے نہیں کی تو اسے قتل کردیا۔

سعید بن مسیب کو جو کبار تابعین اور فقہاء سبعہ میں ہیں پکڑا ان سے یزید کی بیعت لینی چاہی۔ انہوں نے فرمایا؛ حضرت ابوبکر وعمر کی سیرت پر بیعت کرتا ہوں۔ ابن عقبہ نے حکم دیا کہ انہیں قتل کردیا جائے ایک شخص کھڑا ہوا اس نے ان کے جنون کی گواہی دی جب کہیں جا کر ان کی جان بچی۔ پھر یزید کے حکم کے بموجب یزیدی لشکر مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا۔اس ارض پاک کا جس کے جنگلی جانور کو اڑا کر اس کی جگہ سایہ میں نہیں بیٹھ سکتے محاصرہ کرلیا۔آتش بازی کر کے کعبۃ اللہ کے پردے اور چھت کو جلا دیا فدیہ اسماعیل کے سینگ جل گئے ۔اسی اثناء میں ان سارے مظالم کے بانی مبانی یزید کو اپنے کیفر کردار تک پہنچنے کا وقت آگیا اور وہ اپنے ٹھکانے گیا۔"

اب آیئے علماء مابعد کے فیصلے یزید کے بارے میں سنئے باپ کے احوال کو بیٹے سے زیادہ تیرہ صدی کے بعد والا نہیں جان سکتا۔ معاویہ بن یزید کو جب یزید کے تخت پر بٹھایا گیا تو انہوں نے جو خطبہ دیا وہ بغیر ابومخنف کی وساطت کے تاریخ کی کتابوں میں یوں درج ہے:

ثم قلد أبي الامر و کان غیر اهل له و نازع ابن بنت رسول الله ﷺ فقصت عمره و انثر عقبه و صار فی

قبره رهينا بذنوبه ثم بكى و قال ان من اعظم الامور علينا علمنا بسوء مصرعه و بئس منقلبه و قد قتل عترة رسول الله ﷺ و اباح الخمر و خرب الكعبة.

(صواعق صفحہ ۱۳۴)

ترجمہ: پھر میرے باپ کو حکومت دی گئی وہ نالائق تھا۔ نواسۂ رسول ﷺ سے لڑا، اس کی عمر کم کر دی گئی اور اس کی نسل تباہ کر دی گئی۔ وہ اپنی قبر میں گناہوں کے وبال میں گرفتار ہو گیا۔ پھر رویا اور کہا ہم پر سب سے زیادہ گراں اس کی بری موت اور برا ٹھکانہ ہے۔ اس نے عترت رسول ﷺ کو قتل کیا۔ شراب حلال کی اور کعبہ کو برباد کیا۔

امام الاولیاء الکرام سید التابعین العظام حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ما ادراك ما وقعة الحرة ذكرها الحسن فقال والله ما كاد ينجو منهم واحد قتل فيها خلق من الصحابة و من غيرهم فانا لله و انا اليه راجعون.

(صواعق صفحہ ۱۳۲، تاریخ الخلفاء ۱۴۶)

ترجمہ: تمہیں پتہ ہے واقعہ حرہ کیا ہے واللہ بہت کم اہلِ مدینہ اس سے بچے۔ صحابہ کرام اور ان کے علاوہ ایک خلق کثیر مقتول ہوئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

امام ذہبی فرماتے ہیں:

لما فعل يزيد باهل المدينة ما فعل مع شربه الخمر و اتيانه المنكرات اشتد عليه الناس و خرج عليه غير واحد ايضًا.

ترجمہ: یزید نے اہلِ مدینہ کے ساتھ جو کچھ کیا شراب پینے منکرات کا ارتکاب کرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اس کے خلاف ہو گئے اور اس کی

بیعت بہتوں نے توڑ دی۔

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور ابنِ جوزی وغیرہ اس پر لعنت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ابن سبط جوزی نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید ہے۔ صواعق صفحہ ۱۳۲ شیخ احمد صبان اسعاف الراغبین میں تحریر کرتے ہیں:

**قال الامام احمد یکفرہ و ناھیك به ورعا و ھو تقتضیان انه لم یقل ذالك الا لما ثبت عندہ امور صریحة وقعت منه توجب ذالك و وافقه علٰی ذالك جماعة کابن الجوزی وغیرہ و اما فسقه فقد اجمعوا علیه و اجاز قوم من العلماء لعنه بخصوص اسمه و روی ذالك عن الامام احمد قال ابن الجوزی صنف القاضی ابو یعلی کتابا فیمن یستحق اللعنة و ذکر منھم یزید. (صفحہ ۱۶۵)**

ترجمہ: امام احمد بن حنبل نے یزید کو کافر کہا اپنے علم وورع کے اعتبار سے وہ کافی ہیں۔ ان کے علم وورع اس بات کے مقتضی ہیں کہ یزید کو کافر اسی وقت کہا ہوگا جبکہ ان کے نزدیک ثابت ہو گیا ہوگا کہ صریح موجب کفر باتیں اس سے واقع ہوئی ہوں گی ایک جماعت کا جن میں ابن جوزی وغیرہ ہیں یہی فتویٰ ہے۔ یزید کے فسق پر اجماع ہے بہت سے علماء کرام نے یزید کا نام لے کر اسے لعنت کرنے کو جائز رکھا ہے۔ امام احمد سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن جوزی نے بتایا کہ قاضی ابو یعلی نے مستحقین لعنت کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں یزید کا بھی نام ذکر کیا ہے۔

جب حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے یزید کو کافر کہا اس پر لعنت کرنے کو جائز فرمایا تو اس سے امروہوی صاحب کی اس تحقیق کی قلعی کھل گئی جو انہوں نے امام موصوف

کے حوالہ سے اس کے زہد وورع کے بارے میں کی ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ شرح عقائد میں جو درس نظامی کی مشہور و معروف کتاب ہے فرماتے ہیں:

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین و استبشاره بذلك و اهانة اهل بیت النبی علیه السلام مما تواتر معناً و ان كان تفاصیله آحادا فنحن لا نتوقف فی شانه بل فی ایمانه لعنة الله علیه و علی انصاره و اعوانه. (صفحہ ۱۱۷)

ترجمہ: حق تو یہ ہے کہ یزید کی رضا قتل حسین پر اور اس کا اس پر خوش ہونا اہلِ بیت نبوت کی توہین کرنا متواتر المعنی ہے اگر چہ اس کی تفصیل آحاد ہے بس ہم اس کے معاملہ میں توقف نہیں کرتے بلکہ اس کے ایمان میں (وہ یقیناً کافر ہے) اس پر اس کے اعوان وانصار پر اللہ کی لعنت ہو۔

اگر چہ علما محتاطین نے یزید کے معاملہ میں سکوت فرمایا ہے کہ کفر کے لیے جس درجہ کا ثبوت درکار ہے وہ نہیں ہے۔ یہی ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور ہم بھی اسے کافر کہنے سے سکوت کرتے ہیں لیکن عرض یہ ہے جس بدنصیب کے بارے میں اتنے جلیل القدر ائمہ اور علماء کفرِ کا فتویٰ دیں۔ اسے لائق فائق، زاہد وہی کہے گا جو دینی امور سے غافل و جاہل ہوگا۔ امروہوی صاحب نے اُمّ حرام بنت ملحان کی حدیث سے یزید کے فضل وکمال کو ثابت کرنا چاہا ہے کہ

"قسطنطنیہ پر پہلے حملہ آوروں کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کی بشارت دی ہے۔ یہ حملہ یزید کی سرکردگی میں ہوا۔ لہٰذا یزید بھی اس کا مستحق ہوا۔"

چونکہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ یہ بشارت لشکر کے ہر ہر فرد کے لیے ہے لہٰذا انہوں نے طرح طرح کی خیانتیں کی ہیں۔ علامہ ابن حجر کے بارے میں یہ لکھا ہے:

''علامہ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں یہ بیان کرتے ہوئے
کہ یہ حدیث حضرت معاویہ اور ان کے فرزند امیر یزید کی منقبت
میں ہے۔ محدث المہلب کا یہ قول نقل کیا ہے:

**قال المهلب فی هٰذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غز البحر و منقبة لولده لانه اول من غزا مدینة قیصر.**

ترجمہ: اس حدیث کے بارے میں (محدث) المہلب نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے حضرت امیر معاویہ کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت میں ہے ان کے فرزند (امیر یزید کے) کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔

پہلی خیانت اس عبارت میں یہ ہے کہ اس حدیث سے حضرت معاویہ اور ان کے ناخلف بیٹے یزید دونوں کی منقبت ثابت کرنے کی نسبت سند الحفاظ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ علامہ ابن حجر نے مہلب کا یہ قیاس نقل کر کے اسے رد فرمایا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ علامہ موصوف یزید کو لائق مغفرت نہیں مانتے۔ بخاری کے حاشیہ پر یوں متصلاً ہے:

**و تعقبه ابن التین و ابن المنیر بما حاصله انه لا یلزم من دخوله فی ذالك العموم انه لا یخرج احد بدلیل خاص اذ لا یختلف اهل العلم ان قوله صلی اللہ علیہ وسلم مغفورٌ لهم مشروط بان یکونوا من اهل المغفرة حتی لو ارتد احد من غزا بعد ذالك لم یدخل فی ذالك العموم اتفاقا فدل علی ان المراد مغفور لهم لمن وجد شرط المغفرة فیه منهم.**

ترجمہ: مہلب کے قیاس کو ابن تین اور ابن منیر نے یوں رد کیا کہ عموم کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ دلیل خاص سے کوئی نکل نہ سکے اس لیے

کہ حضور کا ارشاد (مغفور لھم) اس چیز کے ساتھ مشروط ہے کہ اہلِ
لشکر مغفرت کے اہل ہوں اگر کوئی لشکریوں میں سے اس کے بعد
مرتد ہو جائے تو وہ اس بشارت کے عموم میں ہرگز داخل نہیں ہے اس
سے معلوم ہوا کہ مغفور لھم کی بشارت انہیں کو شامل ہے۔ جس
میں مغفرت کی اہلیت ہے۔

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ مغفور لھم کی بشارت انہیں لوگوں کو شامل ہے جو لشکر کشی کے وقت مسلمان رہے ہوں اور آخر دم تک ایمان پر ثابت قدم رہے ہوں۔ اگر کوئی اس جنگ کے وقت مسلمان تھا بعد میں کافر ہو گیا تو باتفاق علماء اس بشارت کا مستحق نہیں۔ اگر غزوہ کے بعد کوئی ایسا امر پایا گیا جو منافی مغفرت ہو تو وہ محروم رہ جائے گا۔ اور ہم اوپر ثابت کر آئے کہ یزید سے اس غزوہ کے بعد بہت سے ایسے امور سرزد ہوئے جن پر علماء نے کفر تک کا فتویٰ دیا ہے لہٰذا وہ اس بشارت کا مستحق نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نماز وروزہ اور دیگر اعمال صالحہ کے لیے اعلیٰ اعلیٰ جزاؤں کا بیان ہے کیا جو بھی خواہ بدمذہب، بے دین ہی کیوں نہ ہو۔ نماز پڑھ لے تو وہ اس اجر کا مستحق ہو جائے گا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اعمال پر اجر کا دارومدار، ایمان، حسنِ نیت اور مقبولیت پر ہے۔ ایمان نہیں خالصاً لوجہ اللہ نہیں تو وہ فاعل کبھی اجر کا مستحق نہ ہوگا۔ اسی طرح اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ قسطنطنیہ کے جہاد کا اجر مغفرت ذنوب ہے لیکن یہ اجر ایمان وخلوص کے بعد ملے گا جس میں دونوں باتیں نہ ہوں وہ یقیناً محروم رہے گا۔ اس توجیہ کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ فرمایا:

ان السیف لا یمحو النفاق.

منافق جہاد میں مارڈالا جانے والا جہنم میں جائے گا۔

تلوار نفاق نہیں مٹاتی علاوہ اس کے حدیث کا صاف واضح مطلب یہ ہے کہ اس جنگ میں جہاد کرنے والوں سے جنگ سے پہلے پہلے جو گناہ صادر ہوئے ہوں گے وہ بخش دیئے جائیں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ بعد میں چاہے کچھ بھی نا کردنی کرے وہ پیشگی معاف کردیا گیا۔ اگر حدیث میں ماتقدم وماتاخر ہوتا تو ضرور یہ مطلب ہوتا۔ جب ماتقدم وماتاخر نہیں

تو یہی مطلب متعین ہے کہ اس وقت تک جو خطا سرزد ہوئی ہوگی وہ سب بخش دی جائے گی۔

امروہوی صاحب علامہ ابن حجر کی طرف مہلب کا قول منسوب کرنا اوران کے رد کونظر انداز کردینا بھی آپ کے نزدیک تحقیق کا اعلیٰ معیار ہے۔ردکرنے والوں کوقائل بتانا وہ تحقیق ہے جس کی داد آپ کے اکابر مولوی رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی ہی دے سکتے ہیں۔اے خلافت معاویہ ویزید کوتحقیق بتانے والو۔دیکھو یہ ہے تمہارے محقق کی کمال تحقیق۔

## دوسری خیانت

اسی حدیث کا پہلا حصہ قیرص کے فاتحین کے بارے میں ہے۔جس میں فرمایا:

قد اوجبوا.

علامہ ابن حجر نے اوجبوا کی شرح میں فرمایا تھا:

ای فعلوا فعلا وجب لهم به الجنة.

انہوں نے ایسا کام کیا جس کی وجہ سے جنت واجب ہوگئی۔اس میں سے فعلو فعلا ہضم کر کے صرف وجبت لهم به الجنة کونقل کیا۔کتر بیونت سے بھی جب کام چلتا نظرنہیں آیا تو ترجمہ میں یہ عظیم تحریف کی یعنی ان (سب غازیوں) کے لیے جنت واجب ہوگئی۔

وجبت لهم به الجنة میں کوئی ایسا لفظ نہیں تھا جو کلیت پر دلالت کرتا ہو۔لہٰذا آپ نے ترجمہ میں سب غازیوں کی پچر لگادی تا کہ مغفور لهم کے ترجمہ میں بھی یہ پچر فٹ ہوجائے۔

اے دین کے دشمنو! تم یزید کی یزیدیت پر اپنا دین و ایمان منڈا بیٹھے ہوتو منڈائے رہو۔احادیث وقرآن کوکھیل نہ بناؤ مگر کیا کروگے تم توان کے پیرو ہوجنہیں اللہ کے رسول جل وعلیٰ ﷺ نے اپنے منبر پر اچھلتے کودتے دیکھا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یزید کے بارے میں امت کا اتفاق ہے کہ وہ فاسق وفاجر تھا۔امام احمد بن حنبل اور ابن جوزی وغیرہ اسے کافر بھی کہتے ہیں۔اس پر لعنت کو بھی جائز فرماتے ہیں۔یہ بالکل غلط ہے وہ زاہد و عابد تھا۔تمام تاریخ چھان ڈالیے اس کے زہدو

قناعت کا ایک واقعہ نہیں ملے گا اگر تھا تو امروہوی صاحب نے اسے نقل کیوں نہیں کیا بلکہ خود امروہوی صاحب کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید ہرگز زاہد نہیں تھا۔ صفحہ ۵۰ پر لکھتے ہیں:

''حضرت ابوالدرداء جیسے زاہد صحابی سے بہت مانوس تھے ان کی صاحبزادی کو نکاح کا پیغام بھی دیا تھا وہ یزید کو پسند کرتے تھے مگر اپنی بیٹی ایسے گھرانہ میں بیاہنے کو تیار نہ تھے جہاں کام کے لیے خادمہ موجود ہو۔ پھر انہوں نے اپنی بیٹی یزید ہی کے ایک ہم جلیس کے عقد میں دی۔''

امروہوی صاحب ہمیں سردست اس سے بحث نہیں کرنا ہے کہ حضرت ابوالدرداء یزید کو پسند کرتے تھے یا نہیں۔ یہ تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث سے ظاہر ہو چکا۔ یزید ان سے مانوس تھا کہ مرعوب اتنا تو ثابت ہو گیا۔ اس زاہد خدا پرست نے اپنی نور نظر کو یزید کے گھر جانے دینا اس لیے نہیں گوارا کیا کہ وہاں کام کاج کے لیے خادمہ تھی۔ کام کاج کے لیے خادمہ کا ہونا زہد کے کس درجہ میں داخل ہے۔ اس کو ہر دیندار جانتا ہے۔ بولیے حضرت ابوالدرداء نے گھر میں خادمہ کے ہونے کو زہد کے منافی جانا یا نہیں۔ گھر میں خادمہ رکھ کے آپ کے لائق فائق امیر زاہدین کے زمرے میں رہے یا نہیں۔ خلافت معاویہ ویزید کا اصل موضوع یہ ہے کہ ریحانۂ رسول جگر گوشۂ بتول امام عالی مقام رضی اللہ عنہ خاطی باغی تھے اور یزید اور اس کے لشکر والے حق پر تھے لیکن اسے ثابت کرنا آسان کام نہیں تھا جیسے قاتل ایک قتل چھپانے کے لیے دسیوں قتل کر ڈالتا ہے۔ اسی طرح امروہوی صاحب کو خانوادۂ نبوت کا خون ناحق چھپانے کے لیے سینکڑوں امت مسلمہ کے مسلمات کو ذبح کرنا پڑا ہے، آپ نے بغضِ آلِ رسول وحبِ یزید میں وہ جوش وخروش دکھایا ہے جس کی داد ابن ملجم یا ابن زیاد ہی دے سکتے ہیں۔

آپ نے پہلے یزید کو زاہد وفاضل، مدبر سیاسی اور غازی ثابت کیا۔ پھر اس کی خلافت کو حق بتایا پھر امام عالی مقام کی خطا ثابت کی پھر واقعہ شہادت کی سینکڑوں جزئیات کو غلط بتایا۔ حد یہ کہ واقعۂ شہادت کو اس طرح بیان کیا جیسے یہ کوئی اتفاقی معمولی سا واقعہ ہو جیسے

چلتے چلتے پاؤں تلے چیونٹی مسل جائے۔ مگر یہ سب اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ ائمہ سیر و تاریخ پر کیچڑ نہ اچھالا جائے۔ اس کے لیے آپ نے امام ابن جریر طبری کو شیعہ بتایا۔ ابو مخنف کو وضاع کذاب کہا۔ ابن خلدون تک کے تمام ائمہ سیر تک کو اندھا مقلد بتایا۔ جگہ جگہ روایت پر درایت کو ترجیح دی۔ قیاس سے تاریخی واقعات ثابت کیے وغیرہ وغیرہ جب کہیں جا کر ان کے لائق زاہد امیر یزید کا دامن ان کے خیال میں خانوادۂ رسول کے خون ناحق سے صاف ہوا۔

اگر ہم ان تمام باتوں پر الگ الگ سیر حاصل بحث کریں تو اس کے لیے دفتر چاہیے۔ اس لیے ان تمام جزئیات سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اصولی باتوں پر گفتگو کر کے اس بحث کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

''یزید خلافت کا اہل نہیں تھا۔'' ہمارے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ یزید فاسق و فاجر تھا۔ جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں اس پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ خلافت نیابت رسول ہے۔ خلیفۂ وقت کے ہاتھ میں مسلمانوں کا دین بھی ہوتا ہے۔ دنیا بھی ہوتی ہے۔ فاسق کا فسق و فجور اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں خدا کا خوف نہیں۔ وہ اپنی ہوس پرستی میں حدود شریعت کا لحاظ نہیں کرتا اس لیے فاسق کو یہ منصب سونپنے میں دین و ملت کے برباد ہونے کا خطرہ ہے اس لیے کسی بھی فاسق و فاجر کو یہ منصب سونپنا امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے نزدیک درست نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ فاسق کو خلیفہ بنانے میں فاسق کی تعظیم ہے اور فاسق کی تعظیم و تکریم ناجائز و گناہ ہے اس لیے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک یزید کی خلافت درست نہیں تھی۔ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

قال اللاقانی فی شرح جوهرته فی شرط الامامة انها خمسة الاسلام والبلوغ والعقل والحرية و عدم الفسق بجارحة لا اعتقاد لان الفاسق لا يصلح لامر الدين ولا يوثق باوامره و نواهيه والظالم يختل به امر الدين والدنيا

فکیف یصلح للولایة و من الوالی لدفع شره الیس بعجیب استرعاء الغنم الذئب. (صفحہ۲۰۱، ملخصًا)

ترجمہ: لاقانی نے شرح جوہرہ میں فرمایا: امامت کبریٰ کی شرطیں پانچ ہیں۔ مسلمان، بالغ، عاقل، آزاد، اعتقاداً عملاً فاسق نہ ہونا اس لیے کہ فاسق امر دین کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ اس کے اوامر ونواہی پر وثوق کیا جاسکتا ہے ظالم سے دین ودنیا کا امر برباد ہو جائے گا تو کس طرح والی بنانے کے لائق ہے اس کے شر کو دور کرنے کے لیے کون والی ہوگا۔ کیا بھیڑیے سے بھیڑ کی چرواہی تعجب انگیز نہیں؟

حضرت امام عالی مقام نے مقام بیضہ میں جو معرکۃ الآراء خطبہ دیا تھا اسے ناظرین سنیں اور خدا توفیق دے تو حق قبول کریں۔

ان الحسین خطب اصحابه و اصحاب الحر بالبیضة و حمد الله و اثنی علیه ثم قال ایها الناس ان رسول الله ﷺ قال من رأی سلطانا جائرا مستحلاً حرم الله ناکثا لعهد الله مخالفا لسنة رسول الله ﷺ یعمل فی عباد الله بالاثم والعدوان فلم یغر علیه بفعل ولا قول کان حقا علی الله ان یدخله مدخله الا ان هٰؤلاء قد لزموا طاعة الشیطان و ترکوا طاعة الرحمن و اظهرو الفساد عطلو الحدود و استاثروا بالفیئ و احلوا حرام اللّٰه و حرمو احلال الله و انا حق من غیر.

ترجمہ: امام عالی مقام نے مقام بیضہ میں اپنے اور حر کے ساتھیوں کو خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا۔ اے لوگو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس نے ایسے بادشاہ کو دیکھا جو ظالم ہو، اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرتا ہو عہد الٰہی توڑتا ہو، سنت رسول کی مخالفت کرتا ہو۔ اللہ کے

بندوں میں ظلم وتعدی کے ساتھ حکومت کرتا ہو اور دیکھنے والے کو اس پر قولاً یا عملاً غیرت نہیں آئی تو خدا کو یہ حق ہے کہ اس بادشاہ کی جگہ (دوزخ) میں اس (مداہن) کو ڈال دے۔ میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں ان لوگوں (یزید اور یزیدیوں) نے شیطان کی اطاعت کی رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی۔ فساد مچایا۔ حدود الٰہی کو بیکار کردیا۔ مالِ غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیا۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا۔ میں غیرت کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔

صدقت یا سیدی جزاك الله عني و عن جميع المسلمين خير الجزاء.

یہ خطبہ اگرچہ ابومخنف سے مروی ہے لیکن ابومخنف وضاع کذاب غیر مستند نہیں ہیں اگر امروہوی صاحب یا ان کے حوارین ابومخنف پر کبھی جرح کی زحمت گوارا کریں تو ان شاءاللہ المولیٰ تعالیٰ ہم بھی آگے بڑھیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام نے اس خطبہ میں جو حدیث پڑھی ہے اس کی تائید دوسری متفق صحیح حدیثوں سے ہوتی ہے اس لیے اس کے موضوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ امام نے اس خطبہ میں یزیدیوں کے ایک ایک کرتوت کو مجمع عام میں بیان فرمایا مگر کسی کو ان باتوں کی تردید کی جرأت نہیں ہوئی جس سے ثابت ہوگیا۔ حرام کو حلال کرنا، حلال کو حرام کرنا، حدود الٰہی کو معطل کرنا، مالِ غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لینا، مختصر یہ کہ شیطان کی اطاعت کرنا، یزید اور یزیدیوں کا شعار ہو چکا تھا۔ ایسی صورت میں حدیث کو سامنے رکھئے کیا اس حدیث کے سامنے ہوتے ہوئے ابنِ شیرِ خدا چپکے سے یزید کے ہاتھوں میں ہاتھ دیتے؟ یہی وہ رمز ہے جسے کسی نے اپنی مشہور رباعی میں ظاہر فرمایا ہے۔ رباعی

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دیں پناہ است حسین

سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بناء لا الہ است حسین

ایسے جابر اور فاسق بادشاہ کی عادت بد کے تغیر کے دو طریقے تھے ایک قول سے ایک فعل سے۔ دیگر صحابۂ کرام نے قول سے کیا امام عالی مقام نے فعل سے کیا۔ فعل سے کرنا افضل تھا۔ نواسۂ رسول کے شایانِ شان افضل پر عمل کرنا تھا وہی انہوں نے کیا۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ یزید کے جو حالات امام عالی مقام کے علم میں تھے اس کے پیش نظر نہ اس کی خلافت درست تھی اور نہ فرمانِ رسول کے پیش نظر امام کو خاموش رہنا ممکن تھا تو امام نے جو کچھ کیا حق کیا۔ یزیدیوں نے امام کے خلاف جو کچھ کیا وہ سب ظلم و عدوان تھا آیئے اب احادیث کریمہ سے امام عالی مقام کا حق پر ہونا ثابت کروں۔

## حدیث اول

مشکوٰۃ شریف میں صفحہ ۵۷۰ پر سلمٰی سے مروی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں حضرت ام سلمہ کے پاس حاضر ہوئی انہیں روتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔ آپ کیوں روتی ہیں۔ انہوں نے ارشاد فرمایا:

رأیت رسول اللہ ﷺ تعنی فی المنام و علی راسہ و لحیتہ تراب فقلت مالک یا رسول اللہ قال شھدت قتل الحسین انفا.

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ سر اقدس اور ریش مبارک گرد آلود ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا بات ہے؟ ارشاد فرمایا: ابھی حسین کے مقتل میں تشریف فرما تھا۔

## حدیث دوم

رأیت النبی ﷺ فیما یری النائم ذات یوم بنصف النھار اشعث اغبر بیدہ قارورۃ فیما دم فقلت بابی انت و امی

ما ھٰذ قال ھذا دم الحسین و اصحابه و لم ازل التقطه منذ الیوم فاحصی ذالك الوقت فاجد قتل ذالك الوقت.

(ایضاً صفحہ ۵۷۲)

ترجمہ: میں نے ایک دن خواب میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھا دوپہر کے وقت زلف مبارک منتشر چہرہ انور پر گرد ہے دست مبارک میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے میں نے عرض کیا: یارسول اللہ میرے ماں باپ فدا ہوں۔ یہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے جسے آج جمع کرتا رہا ہوں۔ ابن عباس کہتے ہیں میں نے یہ وقت خیال میں رکھا۔ حضرت حسین اسی وقت شہید ہوئے۔

حضور اقدس ﷺ کا مقتل میں تشریف لانا خون کے قطروں کا جمع فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ امام اور اصحاب امام کا ہر ہر قطرۂ خون حمایت حق وابطال باطل میں بہا تھا اور اگر یزیدی حق پر ہوتے تو اس نوازش کے مستحق وہ تھے نہ کہ امام۔ اگر آپ کہیں کہ نواسے تھے اس رشتہ سے تشریف لائے تو عرض ہے کہ اللہ کے نبی کی یہ شان نہیں ہوسکتی کہ وہ حق کے مقابلہ میں باطل پرست نواسہ کو نوازے، اس کی حوصلہ افزائی کرے۔ اگر حق یزیدیوں کے ساتھ ہوتا تو یقیناً حضور اقدس ﷺ امام عالی مقام کے حریفوں کے مقتل میں ہوتے اور ان کا خون جمع فرماتے۔ رہ گئے علماء کے نصوص تو آپ نے اوپر پڑھ لیا کہ حضور اقدس ﷺ سے لے کر آج تک تمام ائمہ دین اور علمائے متین نے یزید کے ظلم وستم فسق وفجور حتیٰ کہ بعضوں نے کفر کی تصریح کی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ باطل پر تھا اور امام عالی مقام حق پر تھے۔ اطمینان مزید کے لیے تمہید امام ابوشکور سالمی کی سند پیش کروں یہ کتاب عقائد کی اتنی مستند ہے کہ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے درس میں پڑھا ہے:

قال أهل السنة والجماعة ان الحسین رضی الله عنه کان الحق فی یده و قد قتل ظلماً.

ترجمہ: اہلِ سنت و جماعت نے فرمایا کہ حسین رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور وہ ظلماً

شہید ہوئے ہیں۔

پھر حضرت معاویہ اور یزید میں فرق بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان معاوية كان عالما من غير فسق و كانت فيه الديانة ولو لم يكن متديناً لكان لا يجوز الصلح معه و كان عادلا فيما بين الناس ثم بعد علي كان اماما على الحق عادلاً في دين الله و في عمل الناس و كان يزيد بخلاف هٰذا لانه روى انه شرب الخمر و امر بالملاهي والغناء و منع الحق على اهله و فسق في دينه.

ترجمہ: حضرت معاویہ عالم تھے فاسق نہیں تھے ان میں دینداری تھی اگر یہ دیندار نہ ہوتے تو ان کے ساتھ صلح جائز نہ ہوتی عادل تھے حضرت علی کے بعد امام برحق تھے۔ دین اور معاملات ناس میں عادل تھے برخلاف یزید کے کہ اس کے بارے میں مروی ہے اس نے شراب پی، باجا گاجا بجوایا۔ اہل حق کو حق سے محروم رکھا۔ دین میں فاسق ہو گیا۔

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ یزید فسق و فجور اور ظلم وعدوان کی وجہ سے خلافت کا اہل نہیں تھا اور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا اس کی بیعت نہ کرنا حق تھا۔

## امام کی خطاء کے استدلالات اور اس کے جوابات

امروہوی صاحب نے امام کے خطا پر ہونے کے ثبوت میں وہ حدیثیں پیش کی ہیں جن میں امیر کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم وارد ہے۔ ارشاد ہے:

''سنو اور مانو اگر چہ وہ حبشی غلام کیوں نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔''

صفحہ ۶۱ پر لکھتے ہیں:

''اولی الامر، امیر کے لیے رنگ و نسل الخ اس عبارت میں آپ نے اہل سنت کے اس اجماعی مسئلہ کا خلاف کیا ہے کہ خلیفہ کے لیے قریشی کا ہونا شرط ہے) حدیث میں

ہے: الائمة من قریش۔ یعنی خلفائے اسلام قریش سے ہیں۔ خلافت کے لیے قریشی ہونا شرط ہے۔ اس پر تمام اہلسنت کا اجماع ہے اس کے خلاف معتزلہ نے کہا ہے مگر ابن خلدون معتزلی کی اندھی تقلید نے امروہوی صاحب سے اہل سنت و جماعت کے اس اجماعی مسئلہ کا بھی خون کرا دیا ہے۔ معلوم نہیں حب یزید کس کس کھاڑی میں گرائے گی۔

## پہلا جواب

ان احادیث میں امیر سے مراد خلیفہ نہیں بلکہ والی ملک یا والی فوج ہے۔ علامہ عینی عمدۃ القاری اور حافظ عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں:

**هذا فی الامراء والعمال لا الائمة والخلفاء فان الخلافة فی القریش لا یدخل فیها لغیره.**

ترجمہ: یہ امراء اور عمال کے بارے میں ہے ائمہ اور خلفاء کے بارے میں نہیں اس لیے کہ خلافت قریش کے لیے ہے دوسرے کو اس میں دخل نہیں۔

## دوسرا جواب

یہ کہ خلیفہ کی اطاعت اس وقت لازم ہے جبکہ اس کی خلافت شرعاً صحیح ہو۔ اگر اس کی خلافت شرعاً درست نہ ہو تو اس کا حکم وہ نہیں جو ان احادیث میں وارد ہے۔ چنانچہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے:

**و ان لا انازع الامر اهله.**

کہ ہم خلافت کے اہل سے منازعت نہ کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ساری تاکیدیں اس کے لیے ہیں جو خلافت کا شرعاً اہل ہو اور اس کی خلافت شرعی حیثیت سے ثابت ہو پہلے کے بیانات سے ثابت ہے کہ امام کے نزدیک یزید کی خلافت صحیح نہیں تھی لہٰذا اس کی اطاعت لازم نہیں تھی امروہوی صاحب نے یزید کے برحق ہونے کی دلیل پیش کی ہے۔

''یزید کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولی عہد کر دیا تھا جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادیا تھا۔ جیسے صدیق اکبر کے استخلاف سے حضرت عمر کی خلافت درست تھی اسی طرح حضرت امیر معاویہ کے ولی عہد کرنے سے یزید کی امارت درست ہوگئی۔''

## جواب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کے بارے میں جب صحابۂ کرام سے مشورہ کیا تو سب نے باتفاق قبول کیا اور اسے سراہا۔ صرف ایک صاحب نے یہ عذر کیا کہ ''وہ بہت درشت مزاج ہیں۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ''ان کی درشتی میری نرمی کی وجہ سے تھی۔ جب ساری ذمہ داری ان کے سر آن پڑے گی تو وہ نرم ہو جائیں گے۔''

ابن عساکر نے یسارہ بن حمزہ سے روایت کیا ہے کہ صدیق اکبر نے اپنی علالت میں جھروکے سے سر نکال کر لوگوں سے پوچھا کہ میرے استخلاف پر تم لوگ راضی ہو تو لوگوں نے جواب میں کہا: ''اے خلیفۂ رسول اللہ! ہم سب راضی ہیں۔''
حضرت علی کھڑے ہوئے اور کہا: ''عمر کے علاوہ کوئی دوسرا ہوگا تو ہم راضی نہ ہوں گے۔''

صدیق اکبر نے جواب دیا: ''وہ عمر ہی ہیں۔'' حضرت صدیق اکبر کے وصال کے بعد پھر سارے صحابہ اور تابعین نے بلا نکیر حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کی۔
دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکر نے اپنے بیٹے کو ولی عہد نہیں کیا تھا برخلاف یزید کی ولی عہدی کے کہ حضرت امیر معاویہ نے جب دمشق میں لوگوں کو اس کے لیے جمع کیا تو لوگوں نے وہاں بھی بڑے شد ومد سے مخالفت کی اس کا اعتراف امروہوی صاحب کو بھی ہے۔ صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں:

''یہ اجتماع ہوا۔ جس میں ہر خیال کی نمائندگی تھی بعض نے مخالفانہ

تقریریں بھی کیں۔"

"مدینہ آئے تو اعیان صحابہ مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور حضرت حسین نے رد در رد اس پر اعتراضات کیے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے صاف صاف کہا (اپنے بیٹے کو ولی عہد کرنا) قیصر و کسریٰ کی سنت ہے۔" (تاریخ الخلفاء)

حضرت عبداللہ بن زبیر نے یہاں تک کہہ دیا۔ نبی کریم ﷺ سے لے کر حضرت عمر تک جو طریقے خلیفہ کے تقرر کے تھے اس میں سے کوئی طریقہ اختیار کرو تو ہمیں منظور ہے ان کے علاوہ ہمیں کوئی جدید طریقہ منظور نہیں۔ (ابن اثیر)

حضرت امیر معاویہ کے بعد جب یزید نے اپنی بیعت لینی چاہی تو بھی حضرت حسین اور ابن زبیر نے صاف انکار کر دیا۔

یہی اعیان اہلِ حل وعقد تھے جو یزید کی امارت پر نہ امیر معاویہ کے زمانہ میں راضی ہوئے۔ نہ ان کی وفات کے بعد راضی ہوئے۔ اس لیے یزید کی امارت شرعاً درست نہ ہوئی۔ اس موقع پر امروہوی صاحب نے یہ جھک مارا ہے کہ "یزید کی ولی عہدی کا قصہ ۵۶ھ کا ہے اور حضرت عبدالرحمٰن ۵۳ھ میں وفات پا گئے پھر انہوں نے ان پر اعتراض کب کیا۔ صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں:

ابن جریر طبری نے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ ۵۶ھ کا ہے حالانکہ ان پانچ قریشی حضرات میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر تو اس وقت زندہ بھی نہ تھے اس سے تین سال قبل ۵۳ھ میں وفات پا چکے تھے۔ یہ اعتراض امروہوی صاحب کے فن تاریخ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے آپ نے خود لکھا ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ جیسے مدبر صحابی نے یہ تحریک پیش کی۔ (صفحہ ۳۴)

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا وصال ۵۰ھ میں ہو گیا تھا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ۵۰ھ سے قبل یہ مسئلہ پیش ہو چکا ہو۔ ۵۳ھ میں حضرت عبدالرحمٰن کا وصال ہوا ولی عہدی کا مسئلہ

پیش ہونے کے بعد تین سال تک وہ زندہ رہے اور اس درمیان میں ولی عہدی کا مسئلہ جب پیش ہوا۔ انہوں نے مذکورہ بالا اعتراض کیا۔ پھر یہ طبری کا بیان ہے کہ یہ واقعہ ۵۶ھ کا ہے۔ اور طبری آپ کے نزدیک شیعہ غیر معتبر۔ لہٰذا آپ کا یہ استدلال آپ کے مسلمہ پر باطل۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر طرح خلافت کے اہل تھے اور یزید ہر طرح نااہل۔ اس لیے حضرت عمر کا استخلاف درست اور یزید کی ولی عہدی درست نہ تھی۔ علماء نے جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ خلیفہ سابق کے استخلاف سے امارت سے ثابت ہوتی ہے۔ وہاں اہل کی بھی قید لگائی ہے۔ صواعق محرقہ صفحہ ۵ پر ہے۔

الامامة تثبت اما بنص من الامام على استخلاف واحد من اهلها اما بعقدها من اهل العقد والحل لمن عقدت له من اهلها.

ترجمہ: امامت دو طرح ثابت ہوتی ہے، ایک تو یہ کہ خود امام کسی اہل کے خلیفہ بنانے کی تصریح کر دے دوسرے اہل عقد وحل کسی اہل کو مقرر کر دیں۔

یزید میں اہلیت نہیں تھی جس کا بیان گزر چکا۔ لہٰذا اس کو ولی عہد کرنا درست نہیں تھا۔

تیسری دلیل یہ کہ امت کی اکثریت نے یزید کی بیعت کر لی تھی اور فیصلہ کثرت رائے پر ہوتا ہے۔ لہٰذا یزید کی خلافت حق اور امام کا بیعت نہ کرنا خطا۔

## جواب اولاً

یہ قانون اسلام کا نہیں۔ انگریزوں کا ہے اگر آپ کسی انگریز کی ہسٹری لکھنے اور اس قانون سے مدد لیتے تو اسے انگریز مان لیتے مگر آپ بانی اسلام کی جانشینی کے مسئلہ کو اس انگریزی قانون سے نہیں طے کر سکتے۔ اسے خالص اسلامی اصول سے طے کرنا ہوگا۔ علماء ملت تو یہ فرماتے ہیں:

الواحد على الحق هو السواد الاعظم.

ترجمہ: ایک حق پرست ہی سواد اعظم ہے۔

آپ کے اس قانون کو اگر حق مان لیں اور عیسائی یہ کہہ بیٹھے، آیئے آپ کے اس قانون سے اسلام وکفر کا فیصلہ کر دیا جائے اور ووٹ لیا جائے جس کی طرف زیادہ ووٹ ہوں وہ مذہب حق پر ہوگا۔ تو بولیے آپ اس صورت میں اکثریت کے فیصلے کو ماننے کے لیے تیار ہیں۔ سچ ہے: **حب الشی یعمی و یصم**...... حب یزید میں آپ کو کچھ سوجھائی نہیں دیتا۔ آپ کو یزید کی حقانیت کا راگ الاپنے سے کام ہے۔ اگر چہ اس کے رد میں دین وملت سب بہہ جائیں۔

**ثانیاً:**

حالت جبر واکراہ کے احکام اور ہیں، اور اختیار کے اور۔ اسی طرح یزید کی بیعت نہ کرنے میں جان ومال، عزت وناموس کی بربادی کا اندیشہ تو یہ تھا۔ یزید اس پر قادر بھی تھا۔ واقعہ کربلا، واقعہ حرہ، احصار مکہ معظمہ اور احراق کعبہ مقدسہ اس پر شاہد عدل ہیں۔ ایسی صورت میں رخصت یہ تھی کہ یزید کی بیعت کرلی جاتی۔ عزیمت یہ تھی کہ بیعت نہ کی جائے اس رخصت پر عمل کرنے میں نہ ثواب تھا نہ عذاب، عزیمت پر عمل کرنے میں ثواب تھا۔ نواسۂ رسول کے لیے شایانِ شان عزیمت پر عمل کر کے جنت کا دولہا بننا تھا۔ انہوں نے عزیمت پر عمل کیا۔ دیگر صحابہ کرام اور تابعین عظام نے رخصت پر عمل کیا اس پر ان سے کوئی مواخذہ نہیں جس طرح حالت اکراہ میں کلمۂ کفر زبان پر جاری کرنے کی رخصت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان**۔ اور عزیمت یہ ہے کہ جان دے دے مگر کلمۂ کفر زبان پر نہ لائے عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے اور رخصت پر عمل کرنے والا گنہگار نہیں۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت فاضل بریلوی قدس سرہٗ الحجۃ الموتمنہ میں فرماتے ہیں:

اب دو صورتیں تھیں یا بخوف جان اس یزید کی وہ ملعون بیعت قبول کرلی جاتی کہ یزید کا حکم ماننا ہوگا۔ اگر چہ خلاف قرآن وسنت ہو۔ یہ رخصت تھی ثواب کچھ نہ تھا۔ قال اللہ تعالیٰ: **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان**۔ یا جان دے دی جاتی اور وہ ناپاک

بیعت نہ کی جاتی۔ یہ عزیمت تھی اور اس پر ثواب عظیم اور یہی ان کی شان رفیع کے شایاں تھی۔ اسی کو اختیار فرمایا۔ (صفحہ ۹۶)

"چوتھی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے حضرت امام کو خروج سے منع فرمایا۔ ان حضرات کا خروج سے منع فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خروج ناجائز تھا۔"

## جواب

واقعہ صرف اتنا ہے کہ جب حضرت امام نے مکہ سے کوفہ جانے کا عزم محکم فرمالیا تو ان حضرات نے حضرت امام کو کوفہ جانے سے اس بنا پر روکا کہ اہلِ کوفہ دغا باز بے وفا ہیں، ان پر اعتماد نہ کیجیے، وہ عین موقع پر دغا دیں گے اور آپ کو اکیلے چھوڑ دیں گے۔

امروہوی صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے روکنے کا بڑے شد و مد سے تذکرہ کیا ہے۔ اس لیے اصل واقعہ کے انکشاف کے لیے ان کے الفاظ کریمہ نقل کرتا ہوں:

والله انی لاظنك ستقتل بين نسائك و ابنائك كما قتل عثمان فلم يقبل منه فبكى ابن عباس. (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۴)

ترجمہ: باللہ میرا گمان ہے کہ تم اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے شہید کیے جاؤ گے۔ جیسا کہ عثمان شہید ہوئے۔ حضرت امام نے نہ مانا تو ابن عباس روئے۔

جب امام نہ مانے اور کوفہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ تو حضرت ابن عمر فرمایا کرتے:

غلبنا حسين بالخروج و لعمرى لقد راىٰ فى ابيه و اخيه عبرة ايضًا.

ترجمہ: حسین نہ مانے چلے گئے حالانکہ میری جان کی قسم اپنے والد بھائی کے معاملہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حج کے وقع پر کسی عراقی نے

آپ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ حالت احرام میں مکھی مارنا کیسا ہے تو فرمایا:

**اهل العراق يسألون عن قتل الذباب و قد قتلوا ابن بنت رسول الله و قال النبی ﷺ هما ريحانتای من الدنيا.**

(بخاری)

ترجمہ: اہلِ عراق مکھی کے مار ڈالنے کے بارے میں پوچھتے حالانکہ انہوں نے نواسۂ رسول کو شہید کیا۔ حالانکہ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا، وہ میرے پھول ہیں۔

اگر امروہوی صاحب کی تحقیق کے بموجب حضرت امام کا کوفہ جانا خطا ہوتا اور امام برحق پر خروج ہوتا تو ان کا قتل کیا جانا حق تھا، اس پر ابن عمر عراقیوں پر تعریض نہ کرتے بلکہ انہیں داد دیتے کہ تم نے اچھا کیا۔ تم کو مولیٰ عزوجل جزا دے۔ ایک زبردست باغی کو قتل کر کے امت میں اتحاد و اتفاق قائم کر دیا۔ جیسا کہ امروہوی صاحب تیرہ سو سال کے بعد داد دے رہے ہیں۔ اسی سے معلوم ہو گیا کہ یزید باطل پر تھا۔ امام عالی مقام کا اس کی بیعت سے انکار کرنا حق تھا اور امام کی شہادت خون ناحق تھی۔

اب واضح ہو گیا کہ ان حضرات کا کوفہ جانے سے روکنا اس بناء پر نہیں تھا کہ یہ لوگ امام کے اس اقدام کو باطل جانتے تھے اور یزید کی بیعت کو حق بلکہ اس بنا پر تھا کہ کوفی لائق اعتبار نہیں، اس شق کو مزید تقویت ابن عباس کے اس جملہ سے ہوتی ہے۔

"آپ بجائے کوفہ کے یمن چلے جائیں۔ وہاں کے لوگ آپ کے والد کے محب خاص ہیں ایک وسیع ملک ہے۔ وہاں قلعے اور گھاٹیاں ہیں اور وہ بالکل الگ تھلگ ہے۔ وہاں بیٹھ کر لوگوں کو دعوتی خطوط لکھو، ہر طرف داعی بھیجو۔ اس طرح امن و عافیت کے ساتھ تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔" (طبری)

اگر ابن عباس کے نزدیک یزید کے خلاف کوئی تحریک بغاوت تھی تو پھر یمن جا کر اس بغاوت کے پھیلانے کا کیوں مشورہ دے رہے تھے، یہ کون سی منطق ہے کہ کوفہ جانا

بغاوت وخروج ہو اور یمن جانا امن واتحاد۔ یہ ایسی منطق ہے جو اسی دماغ میں آسکتی ہے جو حب یزید اور بغض اہلِ بیت نبوت سے ماؤف ہو چکا ہو۔ پھر یہی ابن عباس امام سے یہ بھی فرماتے ہیں:

''ہاں اگر عراقیوں نے شامی حاکم کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ہو اور اپنے دشمنوں کو وہاں سے نکال دیا ہو تو بخوشی جاؤ لیکن اگر عراقیوں نے تم کو ایسی حالت میں بلایا ہے کہ ان کا حاکم موجود ہے، اس کی حکومت قائم ہے اور اس کے عمال خراج وصول کرتے ہیں تو یقین مانو کہ انہوں نے تم کو محض جنگ کے لیے بلایا ہے،، مجھ کو یقین ہے کہ یہ سب تم کو دھوکا دے جائیں گے تم کو جھٹلائیں گے تمہاری مخالفت کریں گے اور تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیں گیا ور جب تمہارے مقابلہ کے لیے بلائے جائیں گے تو تمہارے سب سے بڑے دشمن ثابت ہوں گے۔'' (طبری جلد ہفتم)

کیا کوفہ میں حاکم ہوتے ہوئے جانا خروج و بغاوت ہے اور حاکم کو قتل کرنے کے بعد وہاں جانا بغاوت وخروج نہیں؟ کیا امیر برحق کے مقرر کردہ حاکم کو قتل کرنا اور شہر سے نکالنا بغاوت وخروج نہیں؟

الغرض جن حضرات نے بھی منع کیا۔ کوفہ جانے سے منع کیا اور اس بنا پر منع کیا کہ آپ کے پاس سرو سامان نہیں۔ فوج نہیں۔ آپ رخصت پر عمل کریں کوفیوں پر مت اعتماد کریں وہ لائق اعتماد نہیں، بے وفا، غدار ہیں۔

یہ دونوں روایتیں طبری کی ہیں جنہیں آپ نے شیعہ کہہ کر نا قابلِ قبول قرار دیا ہے۔ لیکن یہ حب یزید کے خمار کی ترنگ ہے جیسا کہ ہم پہلے امام ذہبی کے قول سے ثابت کر آئے کہ ان پر شیعہ ہونے کا الزام جھوٹا ہے اور انہیں نا قابلِ اعتماد کہنا غلط۔ وہ کبار ائمہ معتمدین میں سے ہیں۔ لہٰذا ان کی روایات محض اس بناء پر نہیں رد کی جاسکتی ہیں کہ یہ طبری نے بیان کیا ہے لہٰذا قابل قبول نہیں۔ پھر جہاں اپنے مطلب کی بات ہوتی ہے طبری معتبر

ہو جائے۔ یزید کی ولی عہدی پر جب حضرت عبدالرحمٰن کے اعتراض کو ساقط کرنا ہوا۔ طبری ہی کا سہارا لیا۔ جس پر تنبیہ گزر چکی ہے۔

اب جب کہ دلائل قاہرہ سے ثابت ہو چکا کہ یزید کی حکومت شرعاً درست نہ تھی۔ ظالمانہ تسلط تھا اس کے بالمقابل حضرت سید الشہداء حق پر تھے تو یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت امام اور رفقائے امام کے ساتھ یزیدیوں نے جو کچھ کیا۔ ظلم و عدوان تھا اور یہ لوگ شہید فی سبیل اللہ تھے۔

امروہوی صاحب نے شہادت کے سلسلہ میں بہت سی مسلم الثبوت جزئیات سے محض قیاسات فاسدہ سے انکار کر دیا ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو کسی آئندہ ملاقات میں ہوگی۔ اصولی طور پر اتنا عرض ہے کہ تاریخی واقعات کو قیاسات سے نہیں ثابت کیا جاتا بلکہ روایات سے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ واقعات ایسے رونما ہو جاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ کیسے کیا ہو گیا۔ تقدیر کا ہمیشہ تدبیر کے موافق ہونا ضروری نہیں۔ پھر ہر شخص کے قیاس کا صائب ہونا لازم نہیں اگر تاریخی واقعات کو اپنے قیاسات سے ثابت کرنے کی بدعت پر عمل کریں گے تو بہت سے مسلم الثبوت واقعات کے ثبوت ہی میں دشواری ہو جائے گی۔

کیا یہ ہر عقل میں آنے کی بات ہے کہ مرکز توحید کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے جائیں۔ کیا یہ ہر عقل میں آنے کی بات ہے کہ چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی پھینکی ہوئی ننھی ننھی کنکریوں سے ابرہۃ الاشرم کا لشکر پامال ہو جائے؟ کیا ہر شخص کے عقل میں آنے کی بات ہے کہ خاتم النبیین کا چچا ابولہب کافر مرے مگر ان کے ثبوت میں ٹھوس روایات موجود ہیں لہٰذا کسی کی عقل میں آئے یا نہ آئے ماننا پڑے گا۔ مثال کے طور پر آپ نے محض یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ''امام عالی مقام پر تین دن تک پانی بند نہیں کیا گیا'' اپنا یہ قیاس پیش کیا ہے۔

> ''امام عالی مقام مکہ معظمہ سے آٹھ ذی الحجہ کو نہیں بلکہ دس ذی الحجہ کو چلے ہیں اور راستے میں تیس منزلیں ہیں۔ لہٰذا امام دس محرم کو کربلا میں جلوہ فرما ہوئے اسی دن شہید ہو گئے نہ تین دن کربلا میں قیام رہا نہ

تین دن تک پانی بند رہا۔"

امروہوی صاحب نے بجائے آٹھ کے دس ذی الحجہ کی روانگی پر قیاس پیش کیا ہے۔

"کیا یہ ممکن تھا کہ امام حج چھوڑ کر کوفہ چل دیتے ایسی کیا جلدی تھی۔

امروہوی صاحب نے ایسی جذباتی دلیل پیش کی ہے کہ عوام اسے فوراً قبول کر لیں گے۔ لیکن اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ آپ نے یہاں کتنی ہوشیاری سے کام لیا ہے۔ حضرت امام حج بارہا ادا فرما چکے تھے۔ حج فرض ذمہ میں نہیں تھا۔ یہ حج اگر ادا فرماتے تو بھی نفل ہوتا۔ دوسری طرف کوفیوں نے یزیدی استبداد کے آزار کے لیے ہر ممکن مدد کا یقین دلایا تھا۔ ایسی صورت میں ازالہ منکر فرض تھا۔ منیۃ المصلی پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ نفل پر فرض کی ادائیگی کو مقدم رکھیں گے۔ اگر حضرت امام نے اس اہم فرض کی ادائیگی کے لیے ایک نفل ترک کر دیا تو اس میں کیا گناہ لازم آیا۔ پھر یہ کہ امروہوی صاحب بھی یہ کہتے ہیں:

"ابن سعد لڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن یزید کی بیعت لینا اس کا مطمع نظر تھا۔"

ایسی صورت میں قیاس یہ چاہتا ہے کہ پانی بند کر دیا جائے تاکہ امام تشنگی سے جاں بلب ہو کر چھوٹے چھوٹے بچوں کو تڑپتے بلکتے دیکھ کر عزیمت چھوڑ کر رخصت پر عمل فرمالیں۔

اسی طرح آپ نے بڑی طوالانی بحث کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ

"مکہ سے کربلا کی تیس منزلیں ہیں اور دو منزل اور سہ منزلہ کسی طرح ممکن نہیں، لہٰذا ایک ایک دن میں ایک ایک منزل طے کرتے ہوئے تیس دن میں تیس منزلیں طے کر کے دسویں محرم کو کربلا پہنچے۔"

واقعہ یہ ہے کہ عقل پر محبت یا بغض کا پردہ پڑ جانے کا کوئی علاج نہیں۔ پہلی منزل بستان ابن عامر چوبیس میل ہے۔ دسویں ذی الحجہ کو حج کے مراسم ادا کر کے کوئی شخص کسی طرح چوبیس میل طے نہیں کر سکتا۔ اور امروہوی صاحب کو کیا خبر کہ دسویں ذی الحجہ کو کیا کیا مراسم ہیں۔

دسویں ذی الحجہ کو آفتاب نکلنے سے کچھ پہلے مزدلفہ سے چل کر منیٰ آنا ہے۔ جمرۃ العقبہ پر کنکری مارنا ہے۔ کنکری مار کر حجامت بنوانا ہے۔ قربانی کرنا ہے۔ پھر مکہ معظمہ جا کر

طواف زیارت کرنا ہے۔ پھر صفا و مروہ کی سعی کرنی ہے کیا کسی بھی عقل مند آدمی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ ایک دن میں مزدلفہ سے چل کر منیٰ آئے۔ وہاں کے مراسم ادا کر کے پھر مکہ معظمہ جائے وہاں کے مراسم ادا کر کے اتنا وقت بچے گا کہ حسینی قافلہ چوبیس میل کی مسافت طے کر کے بستان ابن عامر پہنچ سکے۔ یقیناً ایسا ممکن نہیں لہٰذا امروہوی صاحب کی تحقیق کی بنا پر یہ لازم آئے گا کہ امام گیارہ کو مکہ سے چلے اور گیارہ کو کربلا جلوہ فرما ہوئے۔ پھر دس کو شہادت کس طرح ہوئی۔

دوسرے یہ کہ گیارہ بارہ ذی الحجہ کو کنکریاں مارنا حج کے واجبات سے ہے۔ حج اگرچہ نفل ہو۔ گیارہ بارہ کی رمی واجب ہے۔ امام عالی مقام اگر حج نہ کرتے تو صرف ترک نفل لازم آتا اور حج شروع کر کے گیارہ بارہ کی رمی چھوڑتے ہیں ترک واجب لازم آئے گا۔ یہ کہاں کی عقل مندی ہوگی کہ ترک نفل سے بچنے کے لیے ترکِ واجب کے وبال میں مبتلا ہوں۔ لہٰذا آپ کی جغرافیائی ریسرچ کی بنا پر لازم آئے گا کہ امام تیرھویں ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوں اور تیرہ محرم کو کربلا میں پہنچیں۔

امروہوی صاحب آپ نے دیکھا۔ آب بندی کی روایت کو غلط ثابت کرنے کے لیے آپ نے جو قواعد مستخرج فرمایا وہ خود آپ کے مسلمات کو ڈھا رہے ہیں۔ روایت پذیری چھوڑ کر درایت پرستی اختیار کرنے سے آدمی یونہی دلدلوں میں پھنستا ہے۔

ناظرین کے اطمینان کے لیے امروہوی صاحب کی ایک درایت کی قلعی کھول دی گئی۔ اسی طرح دیگر درایتوں کو قیاس کرلیں۔ بشرط فرصت ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی اس قسم کی تمام درایتوں پر کبھی مفصل گفتگو ہوگی۔ اس تفصیلی گفتگو کے بعد سوالات مندرجہ بالا کے جوابات یہ ہیں:

ا۔ یقیناً بلاشبہ یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کی خلافت حق ہے۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے بعد یہی خلیفہ برحق تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قصاص نہ لینے اور اس میں کسی قسم کی پہلو تہی کرنے کا الزام حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ پر لگانا قطعاً درست نہیں۔

۲- یزید اپنے فسق، فجور اور دیگر وجوہ شرعیہ کی بنا پر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اور دیگر آئمہ کے نزدیک یقیناً خلافت کا اہل نہیں تھا۔ اس کی خلافت شرعاً درست نہیں تھی۔

۳- اس کے بالمقابل ریحانۂ رسول حضرت امام عالی مقام حق پر تھے اور انہیں اور ان کے رفقاء کا قتل کرنا ظلم عظیم تھا۔ یہ حضرات مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

# اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر پر فیصلہ کن بحث

بخاری شریف جلد اول کتاب التہجد باب صلوٰۃ النوافل میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کے ضمن میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا تذکرہ یوں آگیا ہے۔ راوی حدیث حضرت محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ایسے لوگوں کی موجودگی میں بیان کی جن میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی تھے۔ ارض روم کی اس لڑائی کے موقع پر جس میں ان کی وفات ہوئی، جس کا امیر یزید بن معاویہ تھا۔ اس کی شرح میں اس خادم نے اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر پر نئے رخ سے بحث کی ہے جس سے یزیدیوں کی ساری عمارت ڈھ جاتی ہے مناسب معلوم ہوا کہ اسے بھی مقالات میں داخل کر دیا جائے۔

## غلط فہمی کی بنیاد

عام طور پر ذہنوں میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ اس حدیث میں مدینۃ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہے اور یہ کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ اس لشکر نے کیا تھا جس کا سپہ سالار یزید پلید تھا۔ یا کم از کم اس میں شریک ضرور تھا۔ حتیٰ کہ چند سال پہلے تک اس خادم کے ذہن میں بھی یہی تھا۔ اسی وجہ سے ''پاسبان کے کربلا کا مسافر نمبر'' میں نیز شرح بخاری جلد اول میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حالات میں اس سے تعرض نہیں کیا۔

مگر علامہ الحاج مبین الدین امروہوی[1] دامت برکاتہم القدسیہ نے اپنے رسالہ مبارکہ شہید معظم میں اس پر بحث کا نیا رخ اپنایا ہے جو انتہائی محققانہ اور فیصلہ کن ہے۔ اسی کی روشنی میں ہم اب ایک نئے سرے سے اس بحث کو ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

یہاں بنیادی طور پر دو باتیں غور طلب ہیں۔ اس حدیث میں قسطنطنیہ کا نام نہیں۔ مدینہ قیصر ہے یعنی قیصر کے شہر۔ مدینہ قیصر کا ترجمہ یا مطلب کسی لغت میں قسطنطنیہ نہیں۔ پھر محدثین نے اس سے قسطنطنیہ کیسے مراد لیا۔ لاینحل معمہ ہے۔ قیصر کے حدود سلطنت کا کوئی بھی شہر مدینہ قیصر ہوسکتا ہے۔ اب آیئے دیکھئے کہ قیصر کے شہر پر پہلا حملہ کب ہوا۔

تاریخ وسیر کا ادنیٰ واقف کار جانتا ہے کہ قیصر کے شہر پر پہلا حملہ خود حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں ۸ھ جمادی الاولیٰ میں ہوا۔ جس کا نام غزوہ موتہ ہے۔ اب اس بشارت کے مستحق غزوہ موتہ کے شرکاء ہیں اور اگر مدینہ قیصر سے اس کا دارالسلطنت مراد لیا جائے۔ تو جس وقت حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا اس وقت قیصر کا دارالسلطنت حمص تھا۔ جو عہد فاروقی ۱۶ھ میں فتح ہوا۔ اب اس بشارت کے مورد فاتحین حمص ہیں۔

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ اگر کسی کو ضد ہو کہ مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہی ہے تو اگرچہ ضد کا کوئی علاج نہیں مگر حضرت امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی کرامت ہے کہ خاص اس ضد کا علاج موجود ہے۔ حدیث کی یہ بشارت اس لشکر کے لیے ہے جو سب سے پہلے مدینہ قیصر پر حملہ کرے گا۔ اور جس لشکر میں یزید شریک تھا وہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا پہلا لشکر نہیں تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یزید جس لشکر کا امیر تھا وہ ۵۰ھ یا اس کے بعد ۵۲ھ میں قسطنطنیہ پر گیا تھا۔ اس سے پہلے قسطنطنیہ پر چار بار حملہ ہو چکا تھا۔ پہلی بار ۳۲ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت معاویہ کی سربراہی میں حملہ ہوا تھا۔ البدایہ والنہایہ[2] میں ہے:

---

[1] واحسرتاہ کہ حضرت کا اسی سال ۲۴ جمادی الآخرہ م ۱۴ فروری بروز یکشنبہ ۳ بج کر ۳۵ منٹ پر اپنے کاشانہ امروہہ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

[2] جلد سابع صفحہ ۱۵۹

ثم دخلت سنة ثنتين و ثلاثين و فيها غزا معاوية بلاد الروم حتى بلغ المضيق، مضيق قسطنطنية.[1]

ترجمہ: ۳۲ھ میں معاویہ نے بلادروم میں جنگ کی یہاں تک کہ قسطنطنیہ کی گھاٹی تک پہنچ گئے۔

دوسری بار ۴۳ھ میں بسر بن ابی ارطاۃ کی سرکردگی میں اور تیسری بار ۴۴ھ میں چوتھی بار ۴۶ھ میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید سیف اللہ کی سرکردگی میں اسی میں ہے؛

سنة ثلث و اربعين فيها غزا بسر بن ابی ارطاة بلاد الروم فوقع فيها حتى بلغ مدينة قسطنطنية سنة اربع و اربعين فيها غزا عبدالرحمٰن بن خالد بن الوليد بلاد الروم و معه المسلمون.[2] سنة ست و اربعين فيها شتى المسلمون ببلاد الروم مع اميرهم عبدالرحمٰن بن خالد و قيل كان اميرهم غيره.[3]

ترجمہ: ۴۳ھ میں بسر بن ابی ارطاۃ نے بلادروم میں جنگ کی یہاں تک کہ بڑھتے گئے یہاں تک کہ شہر قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔ ۴۴ھ میں عبدالرحمٰن بن خالد نے بلادروم میں جہاد کیا اور ان کے ساتھ بہت سے مسلمان تھے ۴۶ھ میں مسلمانوں نے اپنے امیر عبدالرحمٰن بن خالد کے ساتھ بلادِ روم میں جہاد کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ امیر کوئی اور تھا۔

۴۳ھ میں بسر بن ابوارطاۃ نے جو جنگ کی اس کے بارے میں تصریح ہے کہ وہ قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔ ہدایہ نہایہ میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ قسطنطنیہ

---

1 ایضاً ثامن صفحہ ۳۴

2 ایضاً صفحہ ۲۷

3 ایضاً صفحہ ۳۰

تک پہنچے مگر بدایہ اور نہایہ سے بدرجہا راجح کتاب ابوداؤد[1] میں ہے کہ یہ قسطنطنیہ کی فصیل تک پہنچ گئے۔ اور اس کا محاصرہ کر لیا تھا نیز یہ کہ اس میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ ابوداؤد میں یہ تفصیل ہے۔ اسلم بن ابوعمران نے کہا: ہم مدینہ سے قسطنطنیہ پر جہاد کے لیے نکلے اور امیر لشکر عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے۔ اور رومی اپنی پیٹھ شہر پناہ سے چپکائے ہوئے تھے۔ ایک صاحب نے دشمن پر حملہ کیا تو لوگوں نے کہا: ٹھہر ٹھہر لا الہ الا اللہ۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ اس پر ابوایوب انصاری نے فرمایا: یہ آیت ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب اللہ نے اپنے نبی کی مدد کی اور اسلام غالب ہو گیا تو ہم نے کہا کہ اب ہم اپنے کاروبار میں لگ جائیں۔ انہیں درست کر لیں۔ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ ہلاکت میں مت پڑو۔ اپنے کام میں لگ جانا۔ جہاد چھوڑنا، اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ ابن ابوعمران نے کہا: ابوایوب جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں دفن ہوئے۔

ترمذی[2] میں بھی تھوڑی زیادتی اور کچھ اختصار کے ساتھ یہ روایت موجود ہے۔ اس میں یہ ہے کہ مصر پر عقبہ بن عامر اور ایک جماعت پر فضالہ بن عبید تھے۔ سپہ سالار کون تھا، یہ ترمذی میں نہیں۔ طبری میں البتہ پوری تفصیل ہے۔ ابوداؤد والی سند کے ساتھ ہے کہ اہلِ مصر پر عقبہ بن عامر اور پوری جماعت پر عبدالرحمٰن بن خالد امیر تھے۔ طبری ہی میں دوسری روایت ہے کہ اہلِ مصر پر عقبہ بن عامر اور اہلِ شام پر فضالہ بن عبید تھے۔ ان سب کا حاصل یہ ہوا کہ لشکر کے سپہ سالار حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ تھے اور اہلِ مصر کے مجاہدین کے سردار حضرت عقبہ بن عامر اور اہلِ شام کے فضالہ بن عبید اس طرح ابوداؤد اور ترمذی کی روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

ابوداؤد اور ترمذی میں سن مذکور نہیں۔ مگر چونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ رضی اللہ عنہ کو ۴۶ھ میں زہر دے کر مار ڈالا گیا تھا۔[3] تو ضروری ہے کہ یہ جہاد ۴۶ھ میں یا اس سے

---

1 اول الجهاد باب في قوله عزوجل ولا تلقوا بايديك الى التهلكه، صفحہ ۳۴۰

2 ثانی تفسیر سورہ بقرہ صفحہ ۱۴۱ 3 بدایہ ونہایہ ثامن سن ۳۱

پہلے ہوا ہو۔ یزید پلید جس لشکر میں شریک ہوا، خواہ وہ سپہ سالار کی حیثیت سے رہا ہو، خواہ کسی ٹولی کے سردار کی حیثیت سے خواہ عام فوجی کی حیثیت سے وہ قسطنطنیہ پر ۴۹ھ یا ۵۰ھ یا اس کے بعد حملہ آور ہوا تھا۔ بدایہ نہایہ میں ہے:

سنة تسع و اربعين فيها غزا يزيد بن معاوية بلاد الروم حتى بلغ قسطنطنية.[1]

ترجمہ: ۴۹ھ میں یزید بن معاویہ نے بلادروم پر حملہ کیا یہاں تک کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گیا۔

عمدۃ القاری[2] وغیرہ میں اسی حدیث کے تحت ہے کہ یہ جنگ ۵۰ھ میں یا اس کے بعد ہوئی تھی۔ خود بدایہ نہایہ میں ۵۲ھ کے واقعات میں ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا وصال اسی سال یعنی ۵۲ میں ہوا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے ایک سال پہلے یا اس کے ایک سال بعد بہرحال یزید جس لشکر میں شریک تھا وہ ۴۹ سے پہلے قسطنطنیہ پر نہیں گیا۔ اور ثابت ہو گیا کہ ۴۹ھ سے پہلے قسطنطنیہ پر کم از کم تین بار ورنہ چار بار حملہ ہو چکا ہے پہلے ۳۲ھ میں حضرت معاویہ نے کیا۔ ۴۳ھ میں بسر بن ابوارطاۃ نے کیا۔ ۴۴ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے کیا۔ ۴۶ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ یا کسی اور صاحب کی سربراہی میں ہوا۔

اب اگر مان بھی لیا جائے کہ اس حدیث میں مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہی ہے تو اول جیش من امتی متعین کر رہا ہے کہ اس کے مصداق حضرت معاویہ یا بسر بن ابوارطاۃ یا حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ اور ان کے ہمراہی ہیں۔ جس لشکر میں یزید تھا وہ اس حدیث کے مصداق ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا یہ پہلا لشکر نہیں تھا۔ بلکہ پانچواں یا چوتھا تھا۔ اور بشارت صرف اس لشکر کے لیے ہے جو پہلی بار حملہ کرے گا۔

---

1　ایضاً صفحہ ۳۲

2　سابع صفحہ ۲۴۹

## ایک شبہے کا جواب

کوئی اگر یہ کہے کہ چونکہ اس حدیث میں پہلے جزیرہ قبرص (کریٹ) پر جہاد کا تذکرہ ہے اور مدینہ قیصر پر حملے کا ذکر بعد میں ہے۔ نیز ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے جب یہ عرض کیا کہ دعا فرمایئے کہ میں ان میں سے ہوں تو ارشاد فرمایا تو پہلے والے میں ہے۔ ان دونوں سے متبادر ہوتا ہے کہ مراد وہ حملہ ہے جو قبرص کے بعد ہو۔

اقول اولا یہ وہی کہہ سکتا ہے جو حدیث تو بہت اہم ہے عوام کے بھی کلام کو سمجھنے کی لیاقت نہ رکھتا ہو۔ سب کو معلوم ہے **تقدم فی الذکر تقدم فی الوقوع** کو مستلزم نہیں۔ اور نہ ترتیب فی الذکر، ترتیب فی الوقوع کو مستلزم یعنی یہ ضروری نہیں کہ اگر چند واقعات مذکور ہوں تو جس ترتیب سے مذکور ہوں اسی ترتیب سے واقع بھی ہوں کہ جس کا ذکر پہلے ہو وہ پہلے واقع ہو اور جس کا ذکر بعد میں ہو اس کا وقوع بعد میں ہو۔ ایسا بہت ہوتا ہے کہ واقعات کے رونما ہونے کی ترتیب کچھ اور ہوتی ہے۔ بیان کرنے والا اس کا لحاظ کیے بغیر پہلے رونما ہونے والے کو بعد میں اور بعد میں رونما ہونے والے کو پہلے ذکر کرتا ہے۔ ثانیا، اگر یہ صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی یزید پرستوں کو مفید نہیں۔ اس لیے کہ قبرص ۲۸ھ میں فتح ہو چکا تھا۔[1] یہی صحیح اور یہی جمہور کا قول ہے۔ ابو معشر نے کہا کہ قبرص ۳۳ھ میں فتح ہوا تھا۔ اس تقدیر پر حضرت معاویہ کا ۳۲ھ والا جہاد اس میں داخل نہ ہوگا۔ مگر اس بشارت سے یزید پلید اب بھی خارج ہی رہا۔ کیونکہ اس کے حملے سے پہلے ۴۳ھ میں بسر بن ابو ارطاۃ یا ۴۴ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ اس شرف کو حاصل کر چکے تھے۔

**ثم اقول و باللہ التوفیق**۔ یہ سطور لکھ چکا تو اس حدیث کے سلسلے میں ایک نیا رخ ذہن میں آ گیا۔ یہ حدیث بخاری جلد اول، باب قتال الروم صفحہ ۴۱۰ پر بطریق عمیر بن اسود عنسی حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، یہاں جو کلمات ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے۔

---

[1] ہدایہ ونہایہ سابع صفحہ ۱۵۳

عمیر بن اسود عنسی کہتے ہیں کہ وہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ حمص کے ساحل پر اپنی عمارت میں اُترے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ام حرام بھی تھیں۔ تو ام حرام نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے، میری امت کے اس لشکر نے جو سمندر پر پہلا حملہ کرے گا۔ واجب کر لیا۔ ام حرام نے عرض کیا، یارسول اللہ میں ان میں ہوں۔ فرمایا: تو ان میں ہے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے اس لشکر کو جو سب سے پہلے قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا اسے بخش دیا جائے گا۔ (ام حرام کہتی ہیں) کہ پھر میں نے عرض کیا، میں ان میں سے ہوں یارسول اللہ تو فرمایا: نہیں۔

اس کے تحت علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری[1] میں فرماتے ہیں۔ اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ام حرام سے، اس سے زیادہ تام (کامل) روایت کیا ہے۔ جو اوائل الجہاد باب الدعاء بالجہاد میں مذکور ہے۔ بخاری جلد اول صفحہ ۳۹۱ پر یہ حدیث مفصل یوں مذکور ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ام حرام بنت ملحان کے یہاں تشریف لے جاتے تھے۔ وہ خدمت میں کھانا پیش کرتیں اور ام حرام، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے ماحضر پیش کیا جسے حضور نے تناول فرمایا۔ اور حضرت کے سر اقدس سے جوئیں تلاش کرنے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، پھر بیدار ہوئے اور مسکرا رہے تھے۔ ام حرام نے بتایا کہ میں نے دریافت کیا: کیوں مسکرائے یارسول اللہ؟ فرمایا: میری امت کے کچھ فی سبیل اللہ غازی مجھ پر پیش کیے گئے جو اس سبز سمندر کے بیچ میں سوار ہیں جو تخت پر بیٹھے ہوئے بادشاہ ہیں یا تخت پر بیٹھے ہوئے بادشاہوں کے مثل ہیں۔ اسحٰق سے شک ہو گیا۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اللہ سے دعا فرمائیں کہ مجھے ان میں کر دے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ اس کے بعد حضور اقدس نے سر اقدس رکھا اور پھر سو گئے۔ پھر مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ میں نے پھر عرض کیا، حضور کس بات پر مسکرا رہے ہیں،

---

[1] الجزء الرابع عشر صفحہ ۱۹۸

فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو فی سبیل اللہ اس (سبز، سمندر) کے بیچ میں جہاد کرنے جا رہے ہیں۔ وہ تخت پر بادشاہ ہیں یا تخت پر بادشاہوں کے مثل ہیں۔ اسحٰق نے شک کیا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ سے دعا فرمائیں کہ مجھے ان میں کر دے، فرمایا تو پہلے والوں میں ہے۔ اس کے بعد ام حرام معاویہ بن ابوسفیان کے زمانے میں سمندر میں سوار ہوئیں۔ سمندر پار کرنے کے بعد اپنی سواری سے گر پڑیں اور وفات پا گئیں۔

اس تفصیل کے ساتھ امام بخاری نے اس حدیث کو مزید تین جگہ ذکر فرمایا ہے۔ کتاب الجہاد، باب غزوۃ المرأۃ فی البحر صفحہ ۴۰۳، کتاب الاستیذان، باب من زار قوما فقال عندہم صفحہ ۹۲۹، کتاب تعبیر الرویاء، باب الرویا فی النہار صفحہ ۱۰۰۲-۳، علاوہ ازیں بقیہ صحاح ستہ اور دارمی، موطا امام مالک، مسند امام احمد وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

اس حدیث کے دونوں طریقوں میں سے ہر ایک طریقے میں کچھ باتیں زائد ہیں جو دوسرے میں نہیں۔ عمیر بن اسود کے طریقے میں یہ زائد ہے۔

**اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم.**

ترجمہ: میری امت کا وہ پہلا لشکر جو سمندر میں جہاد کرے، جنت کا مستحق ہو گیا۔

مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طریقے میں نہ تو۔ اول جیش ہے اور نہ اوجبوا ہے۔ اسی طرح عمیر کی روایت میں یہ زائد ہے۔

**اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم البحر اوجبوا.**

ترجمہ: میری امت کے اس پہلے لشکر کو جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا بخش دیا گیا۔

مگر حضرت انس کی روایت میں یہ نہیں۔ اسی طرح حضرت انس کی روایت میں دونوں جگہ یہ تفصیل ہے۔

**یرکبون ثبج هذا البحر.**

ترجمہ: اس سمندر کے بیچ میں سوار ہوں گے۔

مگر یہ عمیر کی روایت میں نہیں۔ مگر یہ راویوں کا عام طریقہ ہے کہ روایت میں کبھی

پوری حدیث ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس میں اختصار کر دیتے ہیں جس کی نظیر صدہا ہیں۔ اس اختصار کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ دو حدیثیں ہیں یا دو واقعے ہیں۔ علامہ عینی کی تصریح گزر چکی کہ یہ دونوں ایک ہی حدیث ہیں۔ حضرت انس کی روایت زیادہ تام ہے۔ اب پوری حدیث یہ ہوئی کہ میری امت کا وہ پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا وہ جنت کا مستحق ہو گیا، اور میری امت کا وہ پہلا لشکر جو سب سے پہلے بحری سفر کر کے مدینہ قیصر پر حملہ کرے گا، بخش دیا جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مغفرت کی بشارت کے لیے تین شرط ہیں، اول وہ بحری سفر کر کے حملہ کرے، دوسرے وہ مدینہ قیصر پر حملہ کرے، تیسرے یہ پہلا لشکر ہو جس حملہ آور لشکر میں یہ تینوں باتیں پائی جائیں گی وہ مغفرت کا مستحق ہے۔ اگر ان تینوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو اس بشارت کا مستحق نہیں۔ یزید میں ان تین باتوں میں سے دو مفقود ہیں۔ نہ تو یہ جس لشکر میں شریک تھا وہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا پہلا لشکر تھا اور نہ اس نے بحری راستے سے حملہ کیا تھا۔ وہ باپ کے جبر و دباؤ سے خشکی کے راستے قسطنطنیہ گیا تھا اس لیے یزید اس بشارت کا کسی طرح مستحق نہیں۔ البتہ عقبہ بن عامر بحری راستے سے قسطنطنیہ گئے تھے وہ اس بشارت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ یزید پلید کسی طرح نہیں ہو سکتا۔